جلد 3 شمارہ 7 ستمبر 2001ء جمادی الثانی 1422ھ

(الرعد)

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے

اللّٰہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید' اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر' مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت' حسد و بغض' تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ' تسلیم و رضا' عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت' مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا' تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات' اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا' اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

جلد 3 شمارہ 7 ستمبر 2001ء جمادی الثانی 1422ھ

ایڈیٹر وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضٰی توحیدی، ایم محمد اکرم، پروفیسر منیر احمد لودھی، ایم محمد طالب
ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق، سید عاشق حسنین مرتضٰی شاہ بخاری
مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ——— -/15 روپے　　　　سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نو کھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

ناشر عامر رشید انصاری نے ذا سراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

CamScanner

اداریہ

الحمدللہ مجلّہ "فلاح آدمیت" کو جاری ہوئے پورے چار سال ہو چکے ہیں اس عرصہ میں ہم نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ برادرانِ سلسلہ اور دیگر قارئین کو اچھی اور نافع تحریریں پیش کی جائیں۔ اس کارِ خیر میں ہم کسی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کا اندازہ ہمیں وقتاً فوقتاً بھائیوں سے ملاقاتوں اور دیگر قارئین کرام کے ستائشی خطوط سے ہوتا رہتا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مجلّہ کے لئے سالانہ فنڈ ستمبر میں اکٹھا کیا جاتا ہے۔ اس سالانہ اجتماع پر فیصلہ ہوا تھا کہ ہر سال اپریل میں اجتماع کے موقع پر فنڈ جمع کیا جائے لیکن بعد میں قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے پھر ستمبر کے لئے مخصوص کر دیا کیونکہ اجتماع میں بھائیوں کے دیگر اخراجات بھی کافی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے قبلہ حضور نے مناسب نہیں سمجھا کہ سارے اخراجات کا بوجھ ایک ہی ماہ پر ڈالا جائے۔ کیونکہ اکثر بھائی ملازمت پیشہ ہیں اور جو محدود آمدنی والے بھائی ہیں ان کے لئے بھی یہ بوجھ بن سکتا ہے۔ اس لئے تمام بھائیوں سے التماس ہے کہ مجلّہ فنڈ مبلغ 150 روپے برائے ستمبر 2001ء تا اگست 2002ء جلد از جلد مجھے ارسال کر دیں۔ جو بھائی پہلے ارسال کر چکے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں اور جو بھائی کسی مجبوری کی وجہ سے فنڈ نہیں دے سکتے ان سے کوئی مطالبہ نہیں۔

کوئی بھی جماعت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس کے ارکان اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ کریں۔ یہ برادرانِ سلسلہ کی ذمہ داری ہے کہ قبلہ انصاری صاحبؒ کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ ان کی فکر کو عام کیا جا سکے۔ مجلّہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ سب بھائیوں کو چاہیے کہ اپنے ملنے والوں کو اس سے متعارف کروائیں۔ اس میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی تعلیمات کا پرچار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام! وحید احمد

درس قرآن

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

"اور جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک کالے سڑے ہوئے سوکھے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں پھر جب میں اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں تو تم اس کے لئے سر بسجود گر جانا۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ خدا نے کہا ابلیس تجھے کیا ہو گیا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوتا؟ ابلیس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کالے سڑے ہوئے سوکھے گارے سے بنایا ہے خدا نے کہا تو جنت سے نکل جا کہ تو راندہ درگاہ ہے اور یوم الجزاء تک تجھ پر پھٹکار ہے" (الحجر ۲۸/۳۵)

اس مضمون کو مختلف طریقوں سے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو خدا نے زمین میں اپنا نائب بنایا' اس کو فرشتوں سے بڑھ کر علم دیا' اس کے علم کو فرشتوں کی تسبیح و تقدیس پر ترجیح دی' فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے اس نائب کو سجدہ کرو' فرشتوں نے اس کو سجدہ کر لیا اور اس طرح ملکوتیت اس کے آگے جھک گئی' مگر ابلیس نے انکار کیا اور اس طرح شیطانی قوتیں انسان کے آگے نہ جھکیں۔ حقیقت میں تو وہ مٹی کا ایک حقیر پتلا تھا مگر خدا نے اس میں جو روح پھونکی تھی اور اس کو جو علم بخشا تھا اس نے اس کو نیابت خداوندی کا اہل بنا دیا۔ فرشتوں نے اس کی اس فضیلت کو تسلیم کر لیا' اور اس کے آگے جھک گئے' لیکن شیطان نے اس کو تسلیم نہ کیا۔ اس جرم میں شیطان پر لعنت بھیجی گئی' مگر اس نے قیامت تک کے لئے مہلت مانگ لی کہ انسان کو بہکانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ شیطان نے انسان کو بہکایا' جنت سے نکلوا دیا اور اس وقت سے انسان اور شیطان میں کشمکش برپا ہے۔ خدا نے انسان سے کہہ دیا کہ جو ہدایت میں تجھے بھیجوں اس کو مانے گا تو جنت میں جائے گا اور اپنے ازلی دشمن شیطان کا حکم مانے گا تو دوزخ تیرا ٹھکانہ ہو گا۔

منصب نیابت کی تشریح

اس بیان سے چند امور معلوم ہوتے ہیں۔

انسان کی حیثیت اس دنیا میں خدا کے خلیفہ کی ہے۔ خلیفہ کہتے ہیں نائب کو۔ نائب کا کام یہ ہے کہ جس کا وہ نائب ہے اس کی اطاعت کرے۔ وہ نہ تو اس کے سوا کسی اور کی اطاعت کر سکتا ہے کہ ایسا کرے تو باغی سمجھا جائے گا اور نہ وہ اس کا مجاز ہے کہ اپنے آقا کی رعیت اور اس کے نوکروں اور خادموں اور غلاموں کو خود اپنی رعیت' اپنا نوکر' اپنا خادم' اپنا غلام بنالے کہ ایسا کرے گا تب بھی باغی قرار دیا جائے گا اور دونوں حالتوں میں سزا کا مستحق ہو گا۔ اس کو جس جگہ بنایا گیا ہے وہاں وہ اپنے آقا کی املاک میں تصرف کر سکتا ہے' اس کی رعیت پر حکومت کر سکتا ہے' اس سے خدمت لے سکتا ہے' ان کی نگرانی کر سکتا ہے۔ مگر اس حیثیت سے نہیں کہ وہ خود آقا ہے' اور نہ اس حیثیت سے کہ وہ اپنے آقا کا نائب ہے اور جتنی چیزیں اس کے زیر حکم ہیں ان پر اپنے آقا کا نائب ہے اور جتنی چیزیں اس کے زیر حکم ہیں ان پر اپنے آقا کا امین ہے۔ اس بنا پر وہ سچا اور پسندیدہ اور مستحق انعام نائب اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اپنے آقا کی امانت میں خیانت نہ کرے۔ اس کی ہدایت پر عمل کرے' اس کے احکام سے سرتابی نہ کرے۔ اس کی املاک' اس کی رعیت' اس کے نوکروں' اس کے خادموں اور اس کے غلاموں پر حکومت کرنے' ان سے خدمت لینے' ان میں تصرف کرنے اور ان کی نگرانی کرنے میں اس کے بنائے ہوئے قوانین پر کاربند ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو نائب نہیں باغی ہو گا' پسندیدہ نہیں مردود ہو گا' مستحق انعام نہیں مستوجب سزا ہو گا۔

فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کفروا و کذبو بایتنا اولیک اصحب النار ھم فیھا خلدون (البقرۃ ۲۸/۲۹) "تو جس نے میری ہدایات کی پیروی کی ایسے لوگوں کے لئے کسی سزا کا خوف اور کسی نامرادی کا رنج نہیں ہے اور جنہوں نے نافرمانی کی اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے"

نائب اور امین خود مختار نہیں ہوتا کہ اپنی مرضی سے جو چاہے کرے' اپنے آقا کے مال اور اس کی رعیت میں جیسا چاہے تصرف کرے اور اس سے کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے آقا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے' اس کو پائی پائی کا حساب دینا ہوتا ہے' اس کا آقا اس کی ہر حرکت کے متعلق سوال کر سکتا ہے اور اس کی امانت اس کے مال اور اس کی رعیت میں اس نے جس طرح تصرف کیا ہے اس کے لئے اس کو ذمہ دار قرار دے کر جزاء اور سزا دے سکتا ہے۔

نائب کا اولین فرض یہ ہے کہ جس کا وہ نائب ہے اس کی فرمانروائی' اس کی حکومت اور اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو نہ اپنے نائب ہونے کی حیثیت کو سمجھ سکے گا

نہ اپنے امین ہونے کے منصب کا کوئی صحیح تصور اس کے ذہن میں پیدا ہو گا' نہ اپنے ذمہ دار اور جواب دہ ہونے کا احساس کرے گا اور نہ اس امانت میں جو اس کے سپرد کی گئی ہے اپنی ذمہ داریاں اور اپنے فرائض صحیح طور پر ادا کرنے کے قابل ہو گا۔ اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی دوسرے تخیل کے تحت انسان وہ طرز عمل اختیار کر سکے جو نیابت و امانت کے تخیل کے تحت وہ اختیار کرے گا اور اگر بفرض محال اس کا طرز عمل ویسا ہو بھی تو اس کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ آقا کی فرمانروائی تسلیم کرنے سے انکار کر کے تو وہ پہلے ہی باغی ہو چکا ہے' اب اگر اس نے اپنے نفس یا کسی اور کے اتباع میں اچھے عمل کئے بھی تو اس کا اجر اس سے طلب کرے جس کا اس نے اتباع کیا ہے' اس کے آقا کے ہاں اس کے وہ اعمال بیکار ہیں۔

انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک حقیر مخلوق ہے' مگر اس کو جو عزت حاصل ہوئی ہے وہ اس روح کی بنا پر ہے جو اس میں پھونکی گئی ہے اور اس نیابت الٰہی کی بناء پر ہے جو اسے اس زمین میں عطا کی گئی ہے۔ اب اس عزت کی حفاظت منحصر ہے اس پر کہ وہ شیطان کی پیروی کر کے اپنی روح کو گندہ نہ کر دے اور اپنے آپ کو نیابت کے درجہ سے گرا کر بغاوت کے مرتبے میں نہ لے جائے کیونکہ اس حالت میں وہ پھر وہی ایک حقیر ہستی رہ جائے گا۔

ملکوتی طاقتیں انسان کے نائب خدا ہونے کو تسلیم کر چکی ہیں اور وہ اس کے آگے بحیثیت نائب خدا ہونے کے جھکی ہوئی ہیں مگر شیطانی طاقتیں اس کی نیابت کو تسلیم نہیں کرتیں اور وہ اسے اپنا تابع بنانا چاہتی ہیں۔ انسان اگر دنیا میں نیابت الٰہی کا حق ادا کرے گا اور خدا کی ہدایت پر چلے گا تو ملکوتی طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ ملائکہ کی فوجیں اس کے لئے اتریں گی۔ وہ عالم ملکوت کو بھی اپنے سے منحرف نہ پائے گا۔ ان طاقتوں کی مدد سے وہ شیطان اور اسکے لشکروں کو مغلوب کر لے گا۔ لیکن اگر وہ نیابت کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا اور خدا کی ہدایت پر نہ چلے گا تو ملکوتی طاقتیں اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی' کیونکہ اس طرح وہ خود اپنے منصب نیابت سے دست بردار ہو چکا ہو گا۔ اور جب اس کا ساتھ دینے والی کوئی طاقت نہ رہے گی اور وہ محض مٹی کا ایک پتلا رہ جائے گا تو شیطانی قوتیں اس پر غالب آ جائیں گی۔ پھر شیطان اور اس کے لشکر ہی اس کے حمایتی اور مددگار ہوں گے' انہی کے احکام کی وہ پیروی کرے گا اور انہی کا سا انجام اس کا بھی ہو گا۔

نائب خدا ہونے کی حیثیت سے انسان کا درجہ دنیا کی تمام چیزوں سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں اس کی ماتحت ہیں اور اس لئے ہیں کہ وہ ان کو استعمال کرے اور اپنے آقا کے بتائے

ہوئے طریقہ پر ان سے خدمت لے۔ ان ماتحتوں کے آگے جھکنا اس کے لئے ذلت ہے اگر وہ جھکے گا تو اپنے اوپر آپ ظلم کرے گا اور گویا نیابت الٰہی کے منصب سے خود دست بردار ہو جائے گا۔ لیکن ایک ہستی ایسی ہے جس کے سامنے جھکنا اور جس کی اطاعت کرنا اس کا فرض ہے اور جس کو سجدہ کرنے میں اس کے لئے عزت ہے۔ وہ ہستی کون ہے؟ خدا اس کا آقا' وہ جس نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔

نوع انسانی کا کوئی مخصوص فرد یا مخصوص گروہ نائب خدا نہیں ہے' بلکہ پوری نوع انسانی نیابت الٰہی کے منصب پر سرفراز کی گئی ہے اور ہر انسان خلیفہ خدا ہونے کی حیثیت سے دوسرے انسان کے برابر ہے۔ اس لئے نہ کسی انسان کو دوسرے انسان کے آگے جھکنا چاہیے اور نہ کسی کو یہ حق ہے کہ اپنے آگے جھکنے کا کسی دوسرے انسان سے مطالبہ کرے۔ ایک انسان دوسرے انسان سے صرف اس چیز کا مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ آقا کے حکم اور اس کی ہدایت کی پیروی کرے۔ اس معاملہ میں پیروی کرنے والا آمر ہو گا اور پیروی نہ کرنے والا مامور' کیونکہ جو نیابت کا حق ادا کرتا ہے وہ حق نیابت ادا نہ کرنے والے سے افضل ہے۔ مگر فضیلت کے معنی یہ نہیں کہ وہ خود اس کا آقا ہے۔

نیابت اور امانت کا منصب ہر انسان کو "شخصاً" حاصل ہے۔ اس میں کوئی مشترک ذمہ داری نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنی اپنی جگہ اس منصب کی ذمہ داریوں کے بارے میں جوابدہ ہے۔ نہ ایک پر دوسرے کے عمل کی جواب دہی عائد ہوتی ہے' نہ ایک کو دوسرے کے عمل کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے' نہ کوئی کسی کو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر سکتا ہے اور نہ کسی کی غلط روی کا وبال دوسرے پر پڑ سکتا ہے۔ انسان جب تک زمین میں ہے اور جب تک مٹی کے پتلے (جسد انسانی) اور خدا کی پھونکی ہوئی روح میں تعلق باقی ہے اس وقت تک وہ خدا کا نائب ہے۔ یہ تعلق منقطع ہوتے ہی وہ خلافت ارضی کے منصب سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس کے زمانہ نیابت کے افعال و اعمال کی جانچ پڑتال ہونی چاہئے۔ اس کے سپرد جو امانت کی گئی تھی اس کا حساب کتاب ہونا چاہئے۔ اس پر نائب ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد کی گئی تھیں ان کی تحقیقات ہونی چاہیے کہ اس نے ان کو کس طرح انجام دیا اگر اس نے غبن' خیانت' نافرمانی' بغاوت اور نافرض شناسی کی ہے تو اس کو سزا ملنی چاہئے اور اگر ایمان داری' فرض شناسی' اطاعت کوشی سے کام کیا ہے تو اس کا انعام بھی ملنا ضروری ہے۔

درسِ حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب الاعمال الی اللہ تعالی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

ترجمہ! حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کے لئے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں اور جس سے عداوت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے رکھتے ہیں جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹھتے ہیں اور جس سے ملتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ملتے ہیں اور جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔

ایک جگہ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوذر انصاریؓ سے فرمایا کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا اور اللہ کے لئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔ یعنی کسی بندے کا کسی دوسرے بندے سے اللہ کے لئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے۔

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو واقعہ سنایا کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے جو دوسری بستی میں رہتا تھا۔ ملاقات کے لئے چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گزر پر ایک فرشتہ منتظر بنا کر بیٹھا دیا جب وہ اس مقام سے گزرا تو فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کہاں کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ اس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی حق نعمت ہے۔ جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو اس بندے نے کہا۔ نہیں میرے جانے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مجھے

اس بھائی سے محبت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کے تقاضے اور تعلق سے میں اس کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ تم اللہ کے بندے سے محبت کرتے ہو۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت ﷺ کا خاص مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندے کا کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور اسی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتے کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام بھی پہنچا دیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ تمام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے اس کو ہدیے اور تحائف دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے۔ جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں میں بھی پائی جاتی۔ لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص کرم یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جب کہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوگا۔ ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہوں گے۔

نئے طبقات دیکھے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مرتبہ اتفاق ایسا ہوا کہ راقم الحروف عین دوپہر کے وقت آستانہ توحیدیہ پر حاضر ہوا۔ یہ وقت قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے آرام کا ہوتا تھا اس لئے میں سلام کے لئے حاضر نہ ہوا بلکہ دبے پاؤں سیدھا مہمان خانے میں داخل ہو گیا۔ چند منٹ بعد ہی ایک ملازم آیا اور کہنے لگا کہ قبلہ صاحب پوچھ رہے ہیں کہ کون آیا ہے۔ میں نے تعارف کرایا تو وہ چلا گیا اور فوراً ہی واپس آ گیا کہ قبلہ حضرت آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں سلام کے لئے حاضر خدمت ہو گیا آپ نے فرمایا کہ میں تو روزنامہ حسابات میں حلقہ فنڈ کا اندراج کر رہا تھا۔ اچھا ہوا آپ آ گئے چلو گپ شپ لگاتے ہیں۔ وہ جون جولائی کی دوپہر تھی اور باہر سناٹا تھا اور کمرے میں صرف میں ہی حاضر تھا۔ ایک عجیب سا کیف اور سماں محسوس ہو رہا تھا اور آپ کبھی مجھے اپنی بچپن کی کرامات سناتے کبھی سلسلہ توحیدیہ کی شروعات کے بارے میں بتاتے۔ آپ نے مجھے کالو کے بھوت کا قصہ بھی سنایا جو میں قارئین کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حال ہی میں میں نے دو نئے روحانی طبقے دیکھے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک طبقہ جہاں رجال الغیب یعنی ڈیوٹی والے بزرگ زیر تربیت تھے۔ ہمارے بھائی راجہ صاحب کی بہن گھر والوں کے سامنے روحانی طور پر ظاہر ہونے والی ایک ڈولی میں سوار ہو کر غائب ہو گئی تھی۔ میں اسے واپس لا سکتا تھا لیکن وہ یہاں آ کر زندہ نہ رہتی۔ اپنا وقت وہاں پورا کر کے آ جائے گی۔ لوگوں نے وہاں مشہور کر رکھا ہے کہ راجہ کے پیر کے جن اس لڑکی کو ساتھ لے گئے ہیں۔ ایک دوسرا طبقہ دیکھا جس میں ان لوگوں کی روحیں تھیں جو بڑے اچھے اور نیک لوگ تھے لیکن دنیا کی زندگی میں غصہ اور نفرت کی نفی نہ کر سکے۔ ان کے لئے جنت کا حکم ہو چکا ہے لیکن اس طبقے میں کچھ عرصہ رکھ کر غصہ و نفرت سے پاک کیا جائے گا۔ یہ اتنی خراب چیز ہے کہ اس کے ساتھ کوئی جنت میں داخل نہ ہو پائے گا۔

قرآن کریم میں سورت آل عمران کی آیت 134 میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ جنت ان متقین کے لئے جو خوشحالی اور تنگدستی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے، غصہ کو پی جانے والے اور

لوگوں کی خطائیں معاف کر دینے والے ہیں۔ وہاں ایسے ایسے بزرگ بھی دیکھے جو یہاں جلالی فقیر کہلاتے رہے لیکن اب وہاں پھنسے بیٹھے ہیں۔ اگرچہ انہیں وہاں کوئی تکلیف یا عذاب نہیں ہے پھر بھی جنت میں داخلہ سے تو روک دئے گئے۔ یہاں ان کے مزار بنے ہوئے ہیں اور عرس منائے جاتے ہیں۔ اگر میں نام لوں تو لوگ جوتے لگائیں گے۔ اس لئے غصہ جیسی بلا سے یہاں ہی چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے۔ میری ایک بات یاد رکھیں کہ عزت تو تمام بزرگوں کی کریں لیکن اتباع کے لئے صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھیں میرا اتباع بھی ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ یہ صرف حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک ہی ہے جن کا اخلاق ہر کمی اور خامی سے پاک تھا۔ جو خصلت یا عادت حضور ﷺ میں تھی اور کسی بزرگ میں نہیں ہے تو سمجھ لیں کہ اس بزرگ میں ابھی خامی ہے اسی طرح جو خصلت حضور ﷺ میں نہ تھی اور کسی بزرگ میں موجود ہے تو یہ بھی ان کی خامی تصور ہو گی۔ جو کوئی بھی کامل ہو گا وہ نبی کریم ﷺ صاحب خلق عظیم ﷺ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو گا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ حضور ﷺ میں تو غصہ نام کو بھی نہ تھا۔ آپ رحمتہ اللعالمین مومنین کے ساتھ گالیاں دینے والوں کو دعائیں اور خون کے پیاسوں کو عبائیں دیں اور فتح مکہ پر اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا۔ حضور ﷺ سراپا جمال تھے اور آپ کا فقر جمالی تھا نہ کہ جلالی۔ اس لئے مسلمان فقیروں کو سراپا جمال، عفو و درگذر کی زندہ مثال اور محبت و مودت کا نمونہ ہونا چاہئے۔ فقیری اسی کا نام ہے کہ لوگوں کی گالیاں کھاؤ اور انہیں دعائیں دو۔

رسالدار صاحب کی مزید باتیں

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ وہ اویسی بزرگ تھے جن سے بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کو بے پناہ فیض ملا۔ آپ کے حالات و واقعات مجلّہ فلاح آدمیت کے صفحات پر دو قسطوں میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ چند باتیں جو رہ گئی تھیں وہ بھی ہدیہ قارئین کی جا رہی ہیں تاکہ حقداروں تک ان کا حق پہنچ جائے۔ پاکستان ائر فورس کی سروس کے دوران جب راقم السطور رسالپور اکیڈمی میں تعینات تھا تو میری رہائش صدر بازار میں تھی۔ وہاں میری ملاقات عبدالعزیز صاحب سے ہوئی جو قبلہ حضرت انصاری صاحبؒ کے ساتھ ہندوستان میں ملازمت کرتے رہے اور ان کے بڑے اچھے دوست تھے۔ میں ان سے قبلہ حضرتؒ کے بارے میں جوانی کے زمانے کی باتیں اور حالات پوچھتا رہتا۔ ایک دن جب حضرت رسالدار صاحبؒ کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ وہ جب دہلی میں انصاری صاحبؒ کے ہاں آیا کرتے تھے تو میں بھی ان کی مجالس میں شامل ہوتا تھا۔ وہ بہت بڑے بزرگ تھے اور انصاری صاحبؒ کے ساتھ ان کو بہت پیار تھا۔ وہاں ہمارے ایک پڑوسی کا بیٹا گھر سے بھاگ گیا تھا اور تلاش بسیار کے باوجود کہیں سے اس کی خبر نہ ملی۔ کسی نے انہیں بتایا کہ انصاری صاحبؒ کے پیر آئے ہوئے ہیں ان سے دعا کراؤ۔ وہ آئے تو رسالدار صاحبؒ نے فرمایا کہ تین دن کے اندر اندر اس کی اطلاع آپ کو مل جائے گی۔ چنانچہ دوسرے دن ہی ان کے کسی دور پار کے رشتہ دار کا پیغام ملا کہ آپ کا بیٹا ہمارے ہاں مقیم ہے اور آپ آکر اسے لے جائیں۔ حضرت رسالدار صاحبؒ نے قبلہ حضرتؒ کو ایک مجلس میں اپنے بچے ہوئے پانی کے جو چند خاص گھونٹ پلائے تھے اس کا ذکر بھی عبدالعزیز صاحب نے میرے ساتھ کیا۔

حضرت رسالدارؒ کے چھوٹے صاحبزادے کنور زبیر احمد خاں سرگودھا شہر میں رہائش پذیر ہیں اور جب بھی وہاں جانے کا اتفاق ہوتا ہے ہم ان سے ملاقات کا شرف ضرور حاصل کرتے ہیں۔ سرگودھا ائیر بیس کے قیام کے دوران جب میں پہلی مرتبہ آپ کے دولتکدہ پر حاضر ہوا تو آپ نے رسالدار صاحبؒ کے کئی واقعات بیان فرمائے جو قبلہ حضرتؒ کی زبانی بھی ہم سن چکے تھے اور گذشتہ اقساط میں بھی تحریر کئے جا چکے ہیں۔ ایک نیا قصہ آپ نے یہ بیان فرمایا کہ ہمارے آبائی قصبہ مندر

گڑھ میں ایک مرتبہ ایک مجذوب فقیر وارد ہوا اور اس نے باہر ایک بڑ کے درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ وہ کسی سے کوئی بات چیت نہیں کرتا تھا۔ اس کی بس ایک ہی رٹ تھی کہ "ایک سکہ چاہئے ایک سکہ چاہئے" لوگ اسے روپے پیسے اور ٹکے دیتے لیکن وہ سب پھینک دیتا یا لوگوں میں بانٹ دیتا اور یہی کہتا کہ ایک سکہ چاہیے۔ وہ کئی برس تک اس درخت کے نیچے پڑا رہا۔ ایک دن ہمارے ابا حضور نے اپنے نوکر کو بلایا اور اسے ایک سکہ دیا اور فرمایا کہ وہ بڑ کے درخت کے نیچے ایک فقیر رہتا ہے اسے جا کر یہ سکہ دے آؤ۔ اس نے جا کر فقیر کو سلام کہا تو وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا کہ لاؤ میرا سکہ۔ جب نوکر نے سکہ اس کے حوالے کیا تو اس نے لے کر اسے چوما۔ جیب میں ڈالا اور نعرے لگاتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور پھر کسی نے اسے دوبارہ وہاں نہیں دیکھا۔ ہم ابا حضور سے پوچھتے رہے کہ یہ معاملہ کیا تھا لیکن وہ ٹال گئے۔

اب آخر میں قبلہ حضرتؒ کا بیان کردہ ایک واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں نے رسالدار صاحبؒ سے پوچھا کہ بھائی جان! آپ نے تو اللہ میاں کو دیکھا ہے بتائیں تو سہی کہ وہ کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ میاں کیلے کی طرح ہیں۔ میں نے کہا کیا مطلب؟ رسالدار صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ نے کیلے کا درخت تو دیکھا ہو گا۔ اس میں لکڑی نہیں ہوتی۔ بس ایک دوسرے کے اوپر پردے لپٹے ہوتے ہیں۔ باہر والا پردہ چھیل دو تو اندر پھر ایک پردہ ہو گا۔ اس کو ہٹا دو تو پھر اس سے باریک ایک اور پردہ ہو گا۔ اس کو بھی دور کر دو تو پھر ایک پتلا پردہ نظر آئے گا۔ آپ اسی طرح پردے ہٹاتے چلے جائیں تو لطیف سے لطیف تر اور نازک سے نازک پردے آنا شروع ہو جائیں گے۔ اسی طرح چلیں تو آخر میں بہت ہی باریک اور نرم و نازک قسم کا پردہ نظر آئے گا۔ اس کو بھی اگر کھول دیں تو پھر کچھ بھی دکھائی نہ دے گا۔ یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سبحان اللہ تعالی عما یصفون "تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کرتے ہو وہ ان باتوں سے پاک ہے" آپ کی بات سن کر بڑی حیرت ہوئی لیکن اس کی حقیقت سلوک طے کرنے پر ہی منکشف ہوئی۔

ایک اور واقعہ جو حضرت رسالدارؒ کے خاندان سے متعلق ہے اسے بھی یہاں درج کر دینا مناسب رہے گا۔ ایک دن قبلہ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم دہلی کے رہنے والے ہیں لیکن ہمارے مزاج میں بڑی سادگی ہے اور ہم دہلی والوں کے آداب، ناروا قسم کے تکلفات اور "پہلے آپ" قسم

کی رسومات کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ ہمیں شروع ہی سے سیدھے سادے اور بے تکلف پنجابی بھائی اچھے لگتے ہیں۔ بلگام میں جہاں رسالدار صاحب ؒ سے ہماری ملاقات ہوئی وہ بھی نظام آباد پنجاب کے رہنے والے ایک پنجابی بزرگ کی سپورٹس کی دکان تھی۔ میں ڈیوٹی کے بعد روزانہ ان کی دکان پر گپ شپ کے لئے جایا کرتا تھا۔ تکلفات میں بھلا کیا رکھا ہے۔ اب آپ کسی کے گھر مہمان جائیں اور صاحب خانہ آپ سے کھانے کے بارے میں دریافت فرمائیں تو یہ کہاں کے آداب ہیں کہ آپ کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے لیکن آپ یہ کہیں کہ اجی نہیں آپ تکلف نہ فرمائیں ہمیں قطعی بھوک نہیں ہے۔ ہم تو ان باتوں کو اچھا نہیں جانتے۔ آپ نے کھانا کھانا ہے تو بلا تکلف کہہ دیں کہ کھانا ہے۔ میں آپ کو بڑے مزے کا ایک قصہ سناتا ہوں۔ میرے دوست حضرت رسالدار صاحب ؒ کے بھائی بڑے قد آور جوان تھے اور خوب روٹیاں کھاتے تھے۔ وہ اپنی اماں سے روٹیاں گن کر نہیں بلکہ موٹائی ناپ کر لیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ میرے ہاں اپنے ایک دوست کے ساتھ مہمان بن کر آئے کھانے کا وقت تھا اس لئے میں نے کھانے کا پوچھا تو انہوں نے رسماً" انکار کر دیا۔ اب ہماری تو عادت ہے کہ ایک ہی مرتبہ پوچھتے ہیں۔ اب انہیں دراصل بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر میرے ہاں ٹھہرے تو بھوک نے مزید ستایا۔ اب وہ خود ایک مرتبہ انکار کر چکے تھے تو دوبارہ کھانے کے لئے کیسے بتاتے۔ بہر حال انہیں اس تکلف کی بدولت تکلیف اٹھانا پڑی۔ وہ کچھ عرصہ بعد دوبارہ ایک عزیز کے ساتھ تشریف لائے تو میں نے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ ان کے عزیز رسماً" انکار کرنے ہی والے تھے کہ رسالدار صاحب ؒ کے بھائی نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ انکار نہ کرنا یہ دوبارہ نہیں پوچھتے۔ مجھے پچھلی مرتبہ تکلف کی وجہ سے بھوکا رہنا پڑا تھا۔ اس پر خوب قہقہہ پڑا۔ ہم نے کہا کہ جب ہم نے پوچھا تھا تو آپ نے کیوں انکار کیا۔ جو کچھ حاضر تھا ہم پیش کر دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پیر بھائیوں کو چاہئے کہ ان جھوٹے تکلفات میں ہر گز نہ پڑا کریں۔ کھانا کھانا ہو تو صاف بتا دو کہ کھانا ہے اور اگر بھوک نہیں ہے تو بھی واضح کر دو کہ کھانے کا انتظام نہ کریں۔

مذہب اسلام

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

مذہب اسلام مشتمل ہے تین حصوں پر اول عقائد' دوسرے عبادات' تیسرے معاملات۔ یہ تینوں آپس میں اس طرح مربوط اور پیوستہ ہیں جیسے ایک مشین کے پرزے کہ ایک پرزہ بھی بیکار ہو جائے تو ساری مشین چلنے سے رک جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اسلام کے ان تینوں حصوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل میں کوتاہی ہو تو مذہب میں خلل آجاتا ہے اور یہ کوتاہ اعمالی اگر قوم کی اکثریت سے سرزد ہو تو ساری قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:۔

افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض فماجزآء من یفعل ذالک منکم الاخزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیامتہ یردون الی اشد العذاب O (البقرۃ۔ 85)

یعنی "کیا تم قرآن کی بعض باتوں کو تو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے' جو ایسا کرتا ہے اس کی جزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی زندگی میں اس کی رسوائی ہو اور آخرت میں ایسے لوگ سخت عذاب کی طرف پھیر دئے جائیں گے"

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اگر تم قرآن کی ہر بات پر یقین اور عمل کرو گے تو فلاح پاؤ گے ورنہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل ہو گے۔ اب چونکہ مسلمان ہونے کے لئے سب سے پہلی چیز عقائد پر ایمان لانا ہے' اس لئے لازم ہوا کہ سب سے پہلے بنیاد یعنی عقائد کو محکم سے محکم تر بنایا جائے' جتنے یہ عقائد محکم ہوں گے' اتنی ہی ہماری عبادات پر خلوص اور با اثر ہوں گی اور اتنے ہی ہمارے معاملات صالح اور مفید ہوں گے۔۔ ہمارے زوال کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ عقائد یعنی بنیاد ہی محکم نہیں۔ یہ عقائد کیا ہیں سنئے۔

عقائد

مذہب اسلام میں داخل ہونے کے لئے مندرجہ ذیل عقائد پر ایمان لانا پہلی شرط ہے:۔

1:۔ اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور ذات و صفات میں ہر لحاظ سے اس کی یکتائی پر۔

2:۔ فرشتوں پر۔

3:۔ وحی کے ذریعہ نازل ہونے والی کتابوں پر۔

4:۔ تمام رسولوں پر۔

5:۔ قیامت کے دن پر۔

6:۔ اس بات پر کہ خیر و شر کے تمام اندازے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔

7:۔ موت کے بعد زندگی پر۔

چونکہ یہ تمام باتیں قرآن میں موجود ہیں' اس لئے اگر ہم یوں کہیں کہ مسلمان ہونے کے لئے تین باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے تو غلط نہ ہوگا۔ وہ تین باتیں یہ ہیں:۔

1۔ اللہ کی واحدانیت:۔

یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ذات و صفات میں ہر لحاظ سے یکتا اور بیمثل ہے۔

2۔ محمد ﷺ کی رسالت:۔

یعنی یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں۔

3۔ قرآن کی صداقت:۔

یعنی یہ کہ قرآن جیساکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوا تھا بالکل ویسا ہی بغیر ایک حرف یا زیر زبر کی کمی بیشی کے اس وقت بھی موجود ہے اور اس کے ہر حکم پر خواہ امر ہو یا نہی پوری طرح عمل کرنا ہی عین اسلام ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ تینوں باتیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں' یعنی حواس ظاہری سے معلوم و محقق نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ غیب میں ہے' حواس ظاہری سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ محمد ﷺ اگرچہ بصورت بشر دنیا میں تشریف لائے لیکن آپ کے رسول ہونے کا ذریعہ یعنی وحی غیب سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح قرآن اگرچہ کتاب کی شکل میں ہمارے پاس ہے لیکن اس کے نزول کا ذریعہ یعنی جبریل علیہ السلام بھی غیب ہی میں ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن میں اور بھی کئی چیزیں بیان کی گئی ہیں جو حواس ظاہری سے معلوم نہیں ہو سکتیں مثلاً فرشتے' دوزخ' جنت' لوح محفوظ وغیرہ وغیرہ۔

تو گویا مسلمان ہونے کے لئے سب سے پہلی چیز "ایمان بالغیب" ہے' یعنی اللہ تعالیٰ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم بغیر کسی دلیل و حجت کے ان چیزوں پر یقین کامل پیدا کرلیں۔ یہ درجہ ایمان کا بہت

ہی بڑا ہے' کیونکہ بغیر دلیل کے ان باتوں کو مان لینا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی کی تصدیق کرنا ہے
۔ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے' کیسا ہے' کہاں ہے' ہے بھی یا نہیں؟ لیکن محمد ﷺ کو ہم
ضرور جانتے ہیں کہ وہ سچے تھے' امین تھے' معصوم تھے' جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے تو
ہم کو کسی اور حجت و دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ان چیزوں کی طرح
ایمان کے بھی مختلف درجے ہیں۔ ایک شخص محض دھوکا دینے کی غرض سے کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ
تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا تو وہ منافق ہے' لیکن ایک اور شخص سچ مچ مسلمان ہونے
کی نیت سے کلمہ پڑھتا ہے اور سچے دل سے کہتا ہے کہ "میں ایمان لایا اللہ اس کے رسولوں اور
کتابوں پر" وغیرہ وغیرہ' مگر اس کو اپنے الفاظ پر اعلیٰ درجہ کا یقین نہیں ہوتا' وہ شخص بے شبہ
"مسلمان" ہے لیکن "مومن" نہیں۔ مومن صرف وہ ہے جس کو یقین کامل ہو۔ حقیقت یہ ہے
کہ آج کل لاکھوں مسلمانوں میں سے شاید ایک دو ہی ہوں گے جو مومن کہلانے کے مستحق ہوں
گے' بر خلاف اس کے قرن اول کے عربوں میں اسی نوے فیصدی پکے مسلمان اور رسول اکرم
ﷺ کے اصحاب کبار میں سو فیصدی مومن کامل تھے۔ ان کے اخلاق بھی کامل تھے' اللہ پر ان کا
بھروسہ اور قرآن پر ان کا عمل بھی کامل تھا' یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف قدم اٹھاتے کامیاب
ہوتے تھے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور پیشہ ایسا نہ تھا جس میں ان کی ترقی فقید المثال نہ ہو' یہی وہ
مبارک جماعت تھی جس کے ساٹھ ساٹھ آدمی ساٹھ ساٹھ ہزار کفار کو میدان جنگ میں شکست
دے دیا کرتے تھے۔ آج مغربیت زدہ مسلمان ان حقیقتوں کو تقلید یورپ کی وجہ سے جھوٹا سمجھتے اور
مذاق اڑاتے ہیں' مگر وہ معذور اور قابل معافی ہیں۔ وہ ایمان کی طاقت اور نصرت خداوندی سے نا
آشنا ہیں اور محض اس واسطے نہ آشنا ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے' وہ صرف مسلمان
ہیں مومن نہیں ہیں بلکہ بہت سے تو شاید مسلمان بھی نہیں۔

یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے' قرآن میں ہے۔

"قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوآ اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم..
ط......" ۔ (الحجرات ۔ 14)

یعنی "اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے (تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم سے فرمایا اے محمد

ﷺ) ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لے آئے۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"

یعنی مومن تم اس وقت کہلاؤ گے جب ایمان تمہارے دلوں میں گھر کر لے گا۔

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ ملت اسلامیہ کے دو حصے ہیں' ایک مسلمان' دوسرے مومن۔ اب سوال یہ ہے کہ ایمان کیا ہے؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ اور وہ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب دیا جا چکا ہے' دوسرے کا جواب یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کسی سے ڈرتا ہو' نہ کسی سے توقع رکھتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے مومن کی تعریف یہ بھی کی ہے کہ جب وہ عبادت کر رہا ہو تو وہ یہ محسوس کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا پھر بدرجہ اقل یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔ تیسرے سوال کا جواب کہ ایسا ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے بہت تفصیل طلب ہے' اس لئے ہم صفحات ذیل میں کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ اس کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ

ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

ذہنی لحاظ سے ہر قوم کے تین حصے کئے جا سکتے ہیں ادنیٰ' اوسط اور اعلیٰ۔ ان میں سے ادنیٰ طبقے کے لوگ عوام کہلاتے ہیں اور ہر قوم کا بڑا حصہ انہیں پر مشتمل ہوتا ہے' ان میں تلاش و تحقیق کا مادہ بالکل نہیں ہوتا۔ یہ صرف مقلد اور لکیر کے فقیر ہوتے ہیں جیسا کسی سے سن لیتے ہیں یا اپنے آباؤ اجداد کو کرتا دیکھتے ہیں' اسی کو اختیار کر لیتے ہیں۔ عام مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے' اللہ رسول یا دین کے بارے میں جو کچھ باپ دادا سے سنا وہی ان کا سرمایہ عقائد و اعمال ہے۔ ان کو خیال بھی نہیں آتا کہ اللہ کیا ہے' کیسا ہے' کہاں ہے؟ اور اس کی موجودگی کا ثبوت کیا ہے؟ اس قسم کے سوالات ہزاروں میں سے ایک دو کے دل میں پیدا ہوتے ہیں مگر وہ لوگ بھی معمولی قسم کی دلیلوں سے مطمئن ہو جاتے ہیں' مثلاً جب ان سے کہا جائے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز بتا سکتے ہو جس کو کسی نے نہ بنایا ہو خود بخود پیدا ہو گئی ہو' تو وہ یہی جواب دیں گے کہ نہیں۔ اب ان سے کہا جائے کہ پھر یہ کائنات یعنی کرہ ارض' آسمان' چاند' سورج' ستارے وغیرہ خود بخود کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں؟ ثابت ہوا کہ ان کا بنانے والا بھی کوئی ضرور ہے۔ اس دلیل سے ان کی تسلی ہو جاتی ہے' لیکن کچھ

خاص لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ذرا آگے سوچتے ہیں ' وہ کہتے ہیں کہ جب ہر چیز کا کوئی بنانے والا ضرور ہوتا ہے تو پھر اللہ کا پیدا کرنے والا بھی ضرور ہونا چاہئے۔ یہیں سے منطق ' فلسفہ اور علم کلام کی کبھی ختم نہ ہونے والی بحثیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ان کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جو زیادہ تعلیم یافتہ اور لسان ہو وہ مدمقابل کو خاموش کر دیتا ہے ' گو اس کی تسلی نہ بھی کر سکے۔ لیکن ان بحثوں سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور غیب کی دوسری چیزوں کے متعلق تلاش و جستجو بڑھتی چلی جاتی ہے اور ہر طالب اپنی طلب اور علم و عقل کے مطابق کسی نہ کسی مقام پر مطمئن ہو جاتا ہے یا انکار کر دیتا ہے۔

ان ہزار ہا طالبوں میں دو چار ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی استدلال عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں ' ایک وہ جو محض ضد اور تعصب کی وجہ سے قائل ہونا ہی نہیں چاہتے ' دوسرے وہ جو واقعی دل سے معرفت یا دیدار باری تعالیٰ کے متمنی ہوتے ہیں۔ وہ یہ جاننے کے لئے بھی بے تاب ہوتے ہیں کہ مادے کے ان کثیف پردوں میں جو عالم لطیف مستور ہے کیسا ہے؟ انسان کیا ہے۔؟ روح کیا ہے؟ فرشتے کیا ہیں؟ دوزخ جنت کی حقیقت کیا ہے؟ یہی ہیں وہ مبارک لوگ کہ جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اولیاء اللہ کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں۔ ان پر وہ حقیقت کبریٰ بے نقاب ہو جاتی ہے جس کو معلوم کرنے کے لئے دنیا بھر کے فلاسفر اور سائنسدان مادی ظلمات کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے مارتے فنا ہو گئے اور نامراد رہے۔ لیکن معرفت اور اس سے بھی بڑھ کر رویت باری تعالیٰ کا حصول کوئی مذاق یا دل لگی نہیں ہے تاہم یہ محال بھی نہیں۔ قرآن کریم میں رویت باری تعالیٰ کے متعلق بہت سی آئتیں ہیں ' ان میں کچھ ایسی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رویت قیامت میں ہوگی ' لیکن کچھ ایسی بھی ہیں جن میں قیامت کا کوئی ذکر بظاہر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں میں اس مسئلہ پر بھی کافی بحث و مباحثہ رہا ہے اور اب بھی ہوتا رہتا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ رویت قیامت میں ہوگی ' دوسرا کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی ہو جائے گی ' تیسرا گروہ جس میں عام طور پر صوفیاء اور اولیائے کرام شامل ہیں دعویٰ کرتا ہے کہ رویت باری تعالیٰ اسی زندگی میں میسر آ سکتی ہے اور جس کو یہاں میسر نہ آئی اسے آخرت میں بھی میسر نہ آئے گی۔ ان کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ معرفت اور دیدار باری تعالیٰ کی خواہش بھوک پیاس کی طرح ایک فطری اور جبلی خواہش ہے خواہ لاکھوں میں سے

صرف ایک دو آدمیوں کے دل میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور مشاہدہ کہتا ہے کہ جتنی جبلی خواہشات قدرت نے پیدا کی ہیں' ان سب کی تسکین کا سامان ضرور پیدا کیا ہے' مثلاً" بھوک اور پیاس پیدا کی ہیں تو ان کی تسکین کے لئے طرح طرح کے ماکولات اور مشروبات پیدا کر دئے ہیں' یہی حال دوسری شہوات و خواہشات کا ہے' پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور عرفان کی خواہش تو کسی انسان کے دل میں فطرتاً" رکھ دی ہو لیکن اس کی تسکین کا سامان اور حصول کے ذرائع پیدا نہ کئے ہوں۔ دوسرے یہ بزرگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں فرمایا ہے:۔

ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی O (بنی اسرائیل۔72)

یعنی "جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا"۔ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس نے یہاں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا وہ وہاں بھی نہ دیکھے گا' پھر قرآن کریم میں یہ بھی ہے کہ

فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور O

یعنی "ان کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوں گی بلکہ ان کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوں گے" اور ظاہر ہے کہ یہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صفاتی شانوں مثلاً" نور وغیرہ ہی کو دیکھ سکتی ہیں اس کی ذات تو صرف دل کی آنکھوں ہی سے نظر آ سکتی ہے۔ ان آیات کے علاوہ ایک جگہ یوں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ

ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشتہ ضنکا ونحشرہ یوم القیمتہ اعمی O (طہ۔124)

یعنی "جس نے اعراض کیا میری یاد سے یقیناً" اس کے واسطے (روحانی) معیشت کی تنگی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے" یعنی وہ ہمارے دیدار سے محروم رہے گا۔ گویا اس آیت میں بھی بتا دیا گیا ہے کہ دیدار الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ یاد الٰہی ہے۔ الغرض ان آیات پر غور کیا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو یہاں نہیں دیکھیں گے آخرت میں بھی نہ دیکھیں گے' یا بہ زبان حاضریوں کہئے کہ جن کو یہاں بصیرت باطنی حاصل نہیں ہوگی وہ آخرت میں بھی اس سے محروم رہیں گے کیونکہ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" جو بیج یہاں بوؤ گے اسی کے پھل وہاں کھاؤ گے۔ جو لوگ اس دنیا میں رویت باری تعالیٰ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت

موسیٰ علیہ السلام کو باوجود درخواست کے یہاں رویت میسر نہ آئی تو کسی غیر پیغمبر کو کس طرح آسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وادی طویٰ میں جو آگ موسیٰ علیہ السلام کو دکھائی گئی تھی اور اس میں سے آواز آئی تھی کہ "میں تیرا رب ہوں" اور "میں ہی ہوں اللہ" تو کیا یہ دیدار الٰہی نہ تھا، لیکن اس طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر جب ایک عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر درخواست کی کہ اے اللہ میں تجھ کو دیکھنا چاہتا ہوں، تو جواب ملا کہ "تو نہیں دیکھ سکتا" اور جب زیادہ ضد کی تو طور کا واقعہ پیش آیا۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلے تو بغیر کسی سوال بلکہ کسی خواہش کے خود اپنا جلوہ دکھایا اور دوسری مرتبہ بار بار درخواست کرنے پر انکار کر دیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ تو وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان مادی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو بصورت نور دیکھا تھا۔ دوسری مرتبہ جو درخواست کی تھی تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے رنگ و بو کو انہی مادی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے کی تھی۔ اور یہ بات ممکن نہیں، اس لئے انکار کر دیا گیا یا یوں کہئے کہ معاملہ کو خوبصورتی سے ٹال دیا گیا۔ بہرحال ہم اس بات پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ طریقے بیان کرتے ہیں جن سے بفضل خدا اس کا دیدار میسر آسکتا ہے۔ مگر یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں صرف اہل طلب کے لئے ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ عرفان یا لقائے باری تعالیٰ کے ذریعہ ایمان کامل پیدا کرنے کا سوال سامنے آتے ہی ہم اپنے آپ کو ایک ایسے علم سے دوچار پاتے ہیں جس کا نام تصوف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں کئی صدیوں تک جب حکومت کے نشہ اور دولت کی بہتات سے عامتہ المسلمین کے صراط المستقیم سے بھٹک جانے کا خطرہ لاحق تھا، تصوف اور صوفیائے کرام نے ان کو راہ راست پر قائم رکھنے میں بڑا حصہ لیا، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ آخری صدیوں میں مسخ شدہ تصوف اور علم سے بے بہرہ صوفیوں کی لایعنی اور خلاف قرآن تعلیم سے جو نقصان عظیم ملت اسلامیہ کو تصوف سے پہنچا ہے وہ اور کسی بات سے نہیں پہنچا۔ اس امر واقعہ کے پیش نظر نہایت ہی ضروری ہے کہ آئندہ صفحات میں اس علم کا کسی قدر واضح بیان کیا جائے۔ اسی ضمن میں ایمان کامل پیدا کرنے اور رویت و معرفت باری تعالیٰ حاصل کرنے کے طریقوں کا بیان بھی اپنی اپنی جگہ پر آجائے گا۔

(ماخوذ از تعمیر ملت)

CamScanner

دنیا کی معرفت

(امام ابو حامد محمد الغزالیؒ)

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مسافروں کے لئے یہ دنیا راستے کی ایک منزل ہے۔ یہ ایک آراستہ و پیراستہ بازار ہے تاکہ مسافر یہاں سے معرفت کا زاد راہ حاصل کر سکیں۔ دنیا اور آخرت کی زندگی جڑی ہوئی ہے اور دونوں کے درمیان موت ہے۔ جو حالت موت سے پہلے ہوتی ہے اور آدمی کے بہت زیادہ قریب ہے اسے تو دنیا کہتے ہیں اور جو حالت موت کے بعد آتی ہے اسے آخرت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دنیا سے مقصود زاد آخرت کا حصول ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ابتدا میں سادہ اور ناقص تو پیدا کیا لیکن اسے اس قابل بنایا کہ وہ کمال حاصل کر سکے اور صورت ملکوتی کو اپنا نقش دل بنالے تاکہ بارگاہ قدس کے لائق ہو سکے۔ یعنی وہاں کی حاضری اسے نصیب ہو اور حضرت حق کے دیدار کی نعمت اسے عطا کی جائے۔ کیونکہ یہی اس کی سعادت کی انتہا ہے اور خالق کائنات نے اسے اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان تو معرفت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب عجیب صنعتوں کی پہچان اللہ تعالیٰ کے جمال کی معرفت کی کنجی ہے اور آدمی کے حواس ان صنعتوں کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔ مادی ڈھانچے کے بغیر جو پانی اور مٹی سے بنا ہے حواس کا وجود ممکن نہ تھا اسی واسطے آدمی کو اس عالم خاک میں آنا پڑا۔ انسان کو اپنے نفس کی معرفت اور تمام جہانوں کا پتہ حواس کے ذریعے ہوتا ہے۔ جب تک یہ حواس اس کے ساتھ رہتے ہیں اور مخبری کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ فلاں دنیا میں ہے اور جب یہ حواس رخصت ہو جاتے ہیں اور انسان خود اور اس کی ذاتی صفات باقی رہ جاتی ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

☆ آدمی کو اس دنیا میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ دل کو اسباب ہلاکت سے بچائے اور اس کے لئے غذا حاصل کرے۔ دوسرے یہ کہ بدن کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور اس کے لئے غذا حاصل کرے۔ دل یعنی روح کی غذا تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت ہے اس واسطے کہ حقیقت میں ہر چیز کی غذا وہی ہے جو اس کی طبیعت کی خواہش کے مطابق ہو

اور اس کی خاصیت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی محبت میں ڈوبا رہنا آدمی کے دل کی ہلاکت کا سبب ہے۔ بدن کی دیکھ بھال بھی اصل میں دل کے لئے ہی ہے۔ کیونکہ بدن تو فنا ہو جائے گا اور روح باقی رہے گی۔ اور دل کے واسطے بدن کی مثال ایسی ہے جیسے کعبتہ اللہ کی راہ میں حاجی کے لئے اونٹ۔ اونٹ حاجی کے لئے ہوتا ہے نہ کہ حاجی اونٹ کے لئے۔ جب تک وہ کعبتہ اللہ میں پہنچ نہ جائے وہ اونٹ سے بے پروا نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے چارے اور پوشش کا انتظام کرنا ہو گا تاکہ اس کی کفالت کر سکے۔ لیکن یہ کفالت بقدر ضرورت ہو گی نہ کہ حاجی سارا دن اسی میں مشغول رہے۔ اگر ایسا کرے گا تو وہ قافلہ سے بچھڑ جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اگر اونٹ کی فکر کو خود پر غالب کرے گا تو اپنی سعادت اور منزل سے محروم رہ جائے گا۔

☆ انسانی بدن کو دنیا میں فقط ان تین چیزوں کی ضرورت و حاجت ہے کھانا' پینا اور گھر' کھانا غذا ہے' پہننا لباس ہے اور گھر وہ ہے جو اسے گرمی' سردی اور دوسرے اسباب ہلاکت سے بچائے۔ یہی تین چیزیں دنیا کی اصل ہیں۔ دل یعنی روح کی غذا معرفت ہے اور وہ جتنی زیادہ ہو اتنی ہی بہتر ہے۔ جب بدن کی غذا کھانا ہے لیکن وہ اگر حد سے زیادہ ہو تو ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے خواہش کو آدمی پر متعین کر دیا ہے تاکہ کھانے کپڑے اور گھر کا تقاضہ کرے تاکہ بدن جو روح کی سواری ہے ہلاک نہ ہو جائے۔ لیکن خواہش ایک حد پر نہیں ٹھہرتی اور ناجائز طلب کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ خواہش کو حد کے اندر رکھے اور شریعت اس لئے مقرر فرمائی کہ خواہش کی درست حد ظاہر کر دیں۔ چونکہ خواہش کی حاجت شروع ہی سے ہوتی ہے اس لئے خدا نے اس کو بچپن ہی میں پیدا کر دیا اور عقل کو اس کے بعد پیدا کیا۔ چونکہ خواہش پہلے پیدا ہوئی تھی اس لئے اس نے مضبوطی پکڑی اور غالب آگئی اور عقل و شرع سے سرکشی کرتی ہے تاکہ آدمی ہر وقت بدن کی ضروریات ہی میں الجھا رہے۔

اس طرح آدمی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ یہ مادی چیزیں کس لئے درکار ہیں اور آدمی دنیا میں آیا کیوں ہے اور دل کی غذا جو زاد آخرت ہے اسے بھول جاتا ہے۔ ان باتوں کو جان لینے کے بعد یہ آپ کا فرض ہے کہ اپنے اصل مقصود کو جانیں اور زندگی کی مہلت کو صحیح

CamScanner

مصرف میں لگائیں۔

☆ دنیا کی مثال یہ ہے کہ دنیا اپنے ظاہر کو بڑا آراستہ و پیراستہ رکھتی ہے اور جو مصیبتیں اور گمراہیاں ہیں انہیں پوشیدہ رکھتی ہے تاکہ نادان لوگ اس کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر فریفتہ ہو جائیں۔ گویا جیسے بوڑھی بدصورت عورت جس نے اپنا منہ چھپا رکھا ہو اور لباس فاخرہ اور بیش بہا زیور سے اپنے آپ کو پیراستہ کر کے رکھے۔ حتیٰ کہ جو کوئی اسے دور سے دیکھے تو اس کا عاشق ہو جائے اور جب اس کے منہ سے نقاب ہٹائے تو ذلیل ہو کر اس کی صورت سے بیزار ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن فرشتے دنیا کو بدصورت بڑھیا کی شکل میں پیش کریں گے۔ اس کی آنکھیں سبز ہوں گی اور دانت بڑے بڑے۔ اتنے بڑے کہ منہ سے باہر کو نظر آئیں گے۔ مخلوق جب اسے دیکھے گی تو کہے گی نعوذ باللہ یہ بدصورت اور روسیاہ کون ہے تو فرشتے کہیں گے کہ یہ وہی دنیا ہے جس کے واسطے تم آپس میں حسد و دشمنی کرتے تھے اور ایک دوسرے سے لڑتے تھے یہاں تک کہ تم نے آپس کے تعلقات منقطع کر لئے اور اس پر فریفتہ ہو گئے۔ پھر فرشتے دنیا کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔ وہ کہے گی بار الٰہ میرے دوست کہاں ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کے دوستوں کو بھی اس کے ساتھ جہنم میں پہنچا دو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت دور کر کے اپنی محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

☆ دنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جانے کی مثال ایسی ہے جیسے آدمیوں کی ایک جماعت کسی کشتی میں سوار ہو اور وہ کشتی کسی جزیرہ میں لنگر انداز ہو جائے۔ اس کا ملاح یہ اعلان کر دے کہ تمام مسافر اتر کر انسانی ضروریات اور جسمانی طہارت کا اہتمام کر لیں اور فارغ ہو کر جلد واپس لوٹ آئیں کیونکہ کشتی مقررہ وقت پر روانہ ہو جائے گی۔ سب لوگ اتر کر تتر بتر ہو گئے۔ ایک جماعت جو عقلمند اور دانا تھی اس نے تو پھرتی سے فراغت حاصل کی اور جلدی سے واپس آ کر کشتی میں مناسب جگہ کی نشستیں سنبھال لیں۔ ایک دوسرا گروہ جزیرہ کے عجائبات میں پڑ گیا۔ وہاں خوش رنگ پھول، خوش آواز جانور اور منقش سنگریزے دیکھنے میں لگ گئے۔ جو واپس آئے تو کشتی میں کشادہ جگہ ندارد اور تنگ و تاریک جگہوں پر بیٹھنا پڑا اور تکلیف اٹھائی۔ تیسرے

گروہ نے وہاں کے نظارے دیکھنے پر ہی کفایت نہ کی بلکہ وہاں سے عمدہ قسم کے سنگریزے چن کر گٹھڑیاں باندھ لیں۔ کشتی میں ان کے رکھنے کی جگہ نہ ملی تو خود تو تنگ و تاریک جگہوں پر بیٹھ گئے اور سنگریزوں کا بوجھ اپنی گردنوں پر لاد لیا۔ جب دو دن گذرے اور سنگریزوں کا عمدہ رنگ بدل کر سیاہ ہو گیا اور بدبو آنے لگی تو ان بیکار اور بدرنگ سنگریزوں کو پھینکنے کی بھی جگہ نہ ملی تو اب پچھتانے لگے۔ ایک اور گروہ نے تو حد کردی اور وہ جزیرہ کے عجائبات میں ایسا مشغول ہوا کہ کشتی چل نکلی اور یہ پڑا رہا۔ اس گروہ کے بعض آدمی بھوک سے مرگئے اور کئی درندوں کا شکار ہو گئے۔ سو پہلے گروہ کی مثال تو مسلمانوں کی ہے اور آخری گروہ جو ہلاک ہوا اس کی مثال کافروں کی سی ہے کہ اپنے تئیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نیز آخرت کو بالکل بھلا دیا اور اپنے آپ کو پوری طرح دنیا کے حوالے کردیا۔ بیچ والے دونوں گروہ گنہگاروں کی مانند ہیں۔ انہوں نے ایمان کو محفوظ رکھا لیکن دنیا کی محبت سے ہاتھ نہ کھینچا۔ ایک گروہ نے افلاس کے ساتھ سیر کی اور ایک سیہ کاری کا شکار ہوا اور سنگریزے لاد کر اپنے آپ کو بوجھل کرلیا۔

☆ یہ جو دنیا کی برائی بیان کی گئی ہے اس سے یہ گمان نہ کرنا کہ دنیا میں جو کچھ ہے سب ہی برا ہے بلکہ علم و عمل جیسی نعمتیں بھی ہیں جو بظاہر دنیا ہی میں ہیں لیکن یہ آخرت میں بھی آدمی کے ساتھ جائیں گی۔ دل کی پاکی اور صفائی جو ترک گناہ سے نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی محبت یہ سب باقیات الصالحات ہیں۔ دنیا کی سب لذتیں بری نہیں بلکہ نکاح اور خوراک و پوشاک جو دنیا میں کفاف کا ذریعہ ہو آخرت کے لئے ضروری ہیں۔ مذموم اور بری وہ دنیا ہے جس سے آخرت کا کام مقصود نہ ہو بلکہ اس جہان میں غفلت اور اترانے کا باعث ہو اور اگلے جہان اور اللہ کو بھلا دے۔ اسی واسطے حضور ﷺ نے فرمایا۔ "دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے۔ ہاں اللہ کا ذکر اور اس میں مدد و معاون چیزیں ملعون نہیں بلکہ باعث خیر و برکت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر ☆ سکون قلب کا ذریعہ

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو شخص نہیں کرتا' ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے (بخاری و مسلم)

اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والے کو زندہ اور ذکر اللہ سے غافل انسان کو بے جان اور مردہ انسان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قرآن و حدیث کا بغور مطالعہ کریں' تو یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی یاد اور اس کا ذکر درحقیقت اسلام کی روح اور بنیاد ہے۔ اللہ کی یاد کے بغیر انسان کو وہ زندگی حاصل نہیں ہوتی' جو اسلام میں مطلوب ہے۔

جس طرح جسمانی وجود کے لئے کھانا پینا نہایت ضروری ہے' بالکل اسی طرح ہمارے روحانی وجود کی بقا اور نشوونما کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہایت درجہ لازمی ہے۔ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر ذکر کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

"اے ایمان والو اللہ کو کثرت سے یاد کرو" (الاحزاب۔۴۱)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

"اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ" (الجمعہ۔۱۰)

کثرت سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ ہم ہروقت اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف راغب رہیں' ہماری زبان اس کے ذکر میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ کا خیال ہمارے دل میں اس طرح بس جائے کہ ہماری پوری زندگی اس کے احکام کے مطابق بسر ہو۔ ہمارے اٹھنے بیٹھنے' چلنے پھرنے' سونے جاگنے' گفتگو کرنے اور خاموش رہنے' غرض ہر بات سے اس حقیقت کا اظہار ہو کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ ہم سے کوئی قصور ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔ کوئی مشکل آن پڑے تو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں۔ ہر کام کے آغاز میں اللہ کا نام لیں۔ کھانا شروع کریں' تو اس کا نام لے کر شروع کریں۔ سونے لگیں تو اللہ کو یاد کرکے سوئیں۔ سو کر اٹھیں تو اسی کا ذکر کرتے ہوئے اٹھیں۔ غرض ہروقت اللہ تعالیٰ کا نام ہماری زبان پر رہے۔ یہی عمل اسلامی زندگی کی روح اور جان ہے۔

ذکر کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم میں جگہ جگہ اہل ایمان کو یہ تلقین فرمائی گئی ہے کہ

وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے کسی وقت بھی غافل نہ ہوں۔ سورۃ الاعراف میں ہے۔

"اور اپنے رب کو صبح و شام یاد کرتے رہو' اپنے جی میں گڑگڑاتے اور ڈرتے ہوئے اور دھیمی آواز کے ساتھ' اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ' جو غافل ہیں" (آیت۔ ۲۰۵)

قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہونے کو نقصان اور خسارے کا باعث قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "اے ایمان والو' تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں" اور جو کوئی ایسا کرے گا (یعنی اللہ کی یاد سے غفلت برتے گا) تو ایسے ہی لوگ خسارے میں پڑنے والے ہیں" (المنافقون۔ ۹)

اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک اللہ کا ذکر کرنے والا' اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا بندہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن افضل اور بلند مرتبہ ہو گا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا اس شخص سے بھی ان کا درجہ بڑھا ہوا ہے جو راہ خدا میں جہاد کرے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (ہاں) اگرچہ کوئی اپنی تلوار کفار و مشرکین میں چلائے' یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خود خون سے رنگین ہو جائے' پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے مرتبہ میں افضل ہے" (احمد' ترمذی)

اور ایک حدیث شریف میں تو ذکر کو ہر عمل سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ ؓ سے ارشاد فرمایا۔ کیا میں تم کو ایک ایسی چیز نہ بتا دوں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستے میں) خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور اس بات سے بھی کہ (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو' وہ تم کو قتل کریں' بڑھی ہوئی ہو۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کا ذکر"

حضرت سلمان فارسی ؓ سے کسی نے پوچھا کہ مرتبے میں سب سے بڑا عمل کیا ہے" انہوں نے جواب دیا۔ کیا تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا۔ قرآن پاک میں ہے ولذکر اللہ اکبر

کوئی بھی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں۔

اللہ کے ذکر کی اس سے بڑھ کر اور فضیلت کیا ہو سکتی ہے کہ ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی رفاقت و معیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اس کا رب بھی اپنے بندے کو یاد کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

"پس تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور ناشکری نہ کیا کرو" (سورہ البقرہ۔ ۱۵۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے دونوں ہونٹ میرے ذکر سے حرکت کرتے ہیں۔ (بخاری)

آج کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو مال و دولت اور بڑی بڑی جائیدادیں رکھنے کے باوجود اطمینان قلب کی دولت سے محروم ہیں۔ قرآن حکیم نے اطمینان قلب سے محروم ایسے ہی لوگوں کا علاج یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ اللہ کے ذکر کی بدولت انہیں اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو گی۔

سن رکھو! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ (الرعد۔ ۲۸)

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم انسان زندگی کے حقیقی اطمینان سے محروم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں اللہ کے ذکر سے غافل رہنے والوں کو مردہ کہا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر ہی حقیقت میں زندگی ہے۔

زندگی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کو یاد کرے۔ دل و جان سے اس سے محبت کرنے لگے اور اپنی پوری زندگی اس کے احکام کے مطابق بسر کرے تاکہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکت سے اس کا محبوب بن جائے۔

توریت کا یہ جملہ کتنا بلیغ ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا، بلکہ اس کلمے سے جیتا ہے، جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔

قدرت کے سربستہ راز جاننے کی انقلابی کوشش

محمد شارق مہر

ہمیشہ سے انسان قدرت کے پوشیدہ اسرار و رموز کو جاننے کی سعی میں مصروف رہا ہے۔ اپنے علم و عمل اور جہد مسلسل سے' وہ اس قابل ہوا کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کارہائے نمایاں انجام دے سکے۔ موجودہ دور میں بائیو ٹیکنالوجی (Bio - Technology) نے مختلف شعبوں میں ہونے والی تحقیقات کو نئی سمت دی ہے جب کہ میڈیکل سائنس کے شعبہ میں کی جانے والی تحقیق کو پوری دنیا میں ایک انقلابی سوچ عطا کی ہے' اس ٹیکنالوجی کے باعث ہی دنیا بھر کے محقق (DNA) اور کلوننگ جیسے حساس موضوع پر انفرادی اور اجتماعی طور پر تحقیق میں مصروف ہیں۔

بائیو ٹیکنالوجی کی اصطلاح 1980ء کی دہائی میں عام ہوئی جب دنیا بھر میں سائنسدانوں نے مختلف شعبوں میں ہونے والی تبدیلیوں کے متعلق قیاس آرائیاں شروع کیں' اس دور میں مختلف سائنس فکشن فلموں اور رسالوں میں فیچرز اور کہانیاں لکھی جانے لگیں اور آہستہ آہستہ یہ موضوع پوری دنیا میں نہایت اہمیت اختیار کرتا چلا گیا۔ بائیو ٹیکنالوجی (Bio-Technology) بائیولجی (Biology) اور ٹیکنالوجی (Technology) سے مل کر بنتا ہے۔ ماہرین نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ (بائیو ٹیکنالوجی ایک ایسی مخصوص تکنیک ہے جو حیاتیات سے متعلق معلومات کے حصول میں معاون و مددگار ہوتی ہے۔ ہم بائیو ٹیکنالوجی کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کے ذریعے محقق انسانی زندگی کے اہم ترین حیاتیاتی مادہ (جین) سے متعلق معلومات کے حصول میں مصروف ہیں۔ شروع میں بائیو ٹیکنالوجی کو کاشتکاری کے فروغ اور پالتو اور مفید جانوروں کی نسلی خصوصیات میں بہتری پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔ مثلاً ایک سبزی (Pomato) بائیو ٹیکنالوجی کے ذریعے پیدا کی گئی جس میں ٹماٹر (Tomato) اور آلو (Potato) کی خصوصیات موجود تھیں۔ اس دور میں نئی سبزیوں کی کاشت پر نت نئے تجربات کے ساتھ ساتھ' زیادہ پیداوار فصلوں کی حفاظت اور مفید پالتو جانوروں کی عمدہ خصوصیات اور افزائش نسل پر بھی تجربات کئے جانے لگے تاکہ لوگوں کو بہترین خوراک اور جانور دستیاب ہو سکیں۔ بائیو ٹیکنالوجی کو یوں تو مختلف شعبوں میں استعمال کیا جانے لگا ہے۔ لیکن

اس کے تحقیقی میدانوں کو تین اہم حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جینٹک انجینئرنگ' زرعی شعبہ اور افزائش نسل سے متعلق' انزائمز(Enzyms) حیاتیاتی مادہ (جین) اور مائیکروبزاب جب کہ بائیو ٹیکنالوجی سے متعلق نظریات میں بہت حد تک تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ مائیکرو ٹیکنالوجی میں جدید ترین دیگر تکنیکوں کو بھی شامل کیا گیا ہے اور وہ دن دور نہیں جب مائیکرو ٹیکنالوجی مکمل طور پر ایک انقلاب برپا کر دے گی۔

بائیو ٹیکنالوجی نے دیگر شعبوں کے ساتھ میڈیکل سائنس اور جینٹک انجینئرنگ میں زبردست کامیابیاں حاصل کی ہیں' زرعی شعبہ میں کی جانے والی تحقیق میں سائنس دان پودوں کے نسیجوں (ٹشوز) کے ذریعے پورے پودے کا حیاتیاتی نظام معلوم کرنے اور اس میں بہتری لانے میں مصروف ہیں تاکہ پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ صحت مند غذا کی فراہمی سے اناج کی قلت کو ختم کیا جا سکے۔

میڈیکل سائنس کے شعبہ میں کی جانے والی حالیہ تحقیقات میں (DNA) اور انسانی کلوننگ جیسے حساس معاملات زیر تحقیق ہیں۔ انسانی حیات کے لئے جین انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور اس میں موجود (DNA) انسان کی پیدائش سے موت تک کی موروثی بیماریوں' خصوصیات اور خامیوں سمیت پوری شخصیت کی عکاسی کرتا ہے جب کہ (DNA) حیاتیاتی مادہ (جین) کے چار سیریل دریافت ہوئے ہیں جن کو ریڈینائن' تھیسامن' گیانائن اور کائیٹو سائن کا نام دیا گیا ہے' سائنسدانوں کے مطابق انسانی حیات میں تقریباً 30 کروڑ سیریلز موجود ہیں جب کہ مزید معلومات کے لئے تحقیقات جاری ہیں۔ یوں تو پوری دنیا میں (DNA) اور کلوننگ پر تحقیقی کام ہو رہا ہے جب کہ دنیا کے 6 ممالک کا ایک مشترکہ کنسوشیم سیلیر اجینیمک کے نام سے قائم کیا گیا ہے جو کہ انٹرنیشنل ہیومن جینوم پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔ اس کنسوشیم میں امریکا' برطانیہ' جاپان' مغربی جرمنی' فرانس اور چین شامل ہیں۔ انسانی جین میں (DNA) میں جو پیشرفت ہوئی ہے اس میں امریکا نے 70 فیصد' برطانیہ نے 20 فیصد جب کہ جاپان نے 10 فیصد تک کام کیا ہے جب کہ فرانس' جرمنی اور چین میں بھی اس سلسلے میں نمایاں کام ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں حال ہی میں انسانی جین کی ایک مکمل تصویر بھی حاصل کی گئی ہے جو کہ یقیناً ایک انقلابی قدم ہے (DNA) اور کلوننگ میں ہونے والی اس پیش رفت نے تحقیق کو مزید ایک نیا موڑ دیدیا ہے۔ موجودہ دور میں (DNA) اور کلوننگ کے حوالے

CamScanner

سے بائیو ٹیکنالوجی کا استعمال کیوں کہ بہت ارزاں ہے اس لئے اس ٹیکنالوجی کو ترقی یافتہ ممالک میں ہی استعمال کیا جا رہا ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ اس حساس اور اہم موضوع پر جلد ہی ترقی پذیر ممالک میں بھی کام کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں بائیو ٹیکنالوجی پر کمپیوٹر نے بھی ت اہم اثرات مرتب کئے ہیں اور جن معلومات کے لئے 10 سال کا عرصہ درکار ہوتا تھا اب وہ کم ہو کر نصف سے بھی کم رہ گیا ہے۔ DNA اور کلوننگ کے حوالے سے کی جانے والی تحقیق کے اس میدان میں داخل ہو سکیں گے، خاص طور پر جینٹک انجینئرنگ پر تحقیق بہت مہنگی ہے جب کہ اس کے نتائج صبر آزما ہیں۔ جاپان کے پروفیسر ڈاکٹر جن کیو کچی جو کہ انسانی جین میں موجود پروٹین پر کام کر رہے ہیں کا کہنا ہے کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے بائیو ٹیکنالوجی پر براہ راست اثرات مرتب ہوئے ہیں جو کہ یقینی طور پر حوصلہ افزاء ہیں اور اس ٹیکنالوجی کی افادیت دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اگلا دور پوسٹ جینوم کا ہو گا جس کے لئے ہمیں پروٹین کے تجزیہ کی ضرویات پیش آئیں گی جس کی بدولت بنیادی سیریل (Basic Sequance) کا پتہ لگانے میں مدد ملے گی۔ ماہرین کے مطابق پوسٹ جینوم دور میں بائیو ٹیکنالوجی کے استعمال سے بہت دور رس اثرات مرتب ہونے کی قوی امید ہے جہاں انسان اور حیوانوں کی موروثی بیماریوں کے بارے میں نہ صرف آگاہی ہو سکے گی بلکہ ان کو ٹھیک بھی کیا جا سکے گا۔ جس کی واضح مثالیں ہم زرعی اور پالتو جانوروں کی افزائش کے لئے بڑھتے ہوئے بائیو ٹیکنالوجی کے استعمال میں دیکھ چکے ہیں جب کہ آئندہ دور میں اس ٹیکنالوجی کے ذریعے حیاتیاتی ٹشوز سے مختلف اعضاء کی تیاری بھی ایک صنعتی انقلاب کا باعث بنے گی۔ دنیا میں حیاتیاتی ٹشوز کی تیاری کے سلسلے میں مہیا بنیادی معلومات پر پہلے ہی مختلف پرائیویٹ کمپنیوں نے تحقیقی کام شروع کر رکھا ہے جسے وہ آئندہ کمرشلائزیشن کے لئے استعمال کر کے صنعتی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ جاپان کی ایک پرائیویٹ کمپنی مینیگن پرائیویٹ لمیٹڈ ایسی ہی بیشتر پرائیویٹ کمپنیوں میں سے ایک ہے جس نے کورنیل کا ٹیک لینس سسٹم کو متعارف کروایا تھا۔ اس کمپنی نے اعلان کیا ہے کہ وہ انسانی ٹشوز اور دیگر طریقوں سے انسانی کھال بنانے پر اپنی تحقیق کے دائرہ کار کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ کمپنی 2004ء تک انسانی کھال فراہم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہ خبر یقیناً مختلف حادثات میں کھال کے متاثرین مریضوں کے لئے ایک نوید جاں فزاں ثابت ہو گی۔ کمپنی کے پروجیکٹ ڈائریکٹر نے کہا کہ 1990ء میں جب انسانی خلیوں اور ٹشوز کو منجمد کر کے اس پروجیکٹ پر کام شروع

کیا تھا تو مختلف اعتراضات سامنے آئے تھے لیکن ہم نے کسی بھی رد عمل کی پرواہ کئے بغیر اس پروجیکٹ پر کام کیا اور آج ہم نے وہ کچھ کر دکھایا ہے کل جس کے بارے میں ہم محض سوچ سکتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ شروع میں بلڈ ٹرانسفیوژن کے استعمال کے حوالے سے بھی لوگوں میں بہت زیادہ رد عمل پایا جاتا تھا لیکن اس عمل کے ذریعے زندگیوں کو بچایا گیا اور بالآخر لوگوں نے اس کی افادیت کو دیکھتے ہوئے بلڈ ٹرانسفیوژن کے عمل کو قبول کر لیا۔

آجکل ماہرین موجودہ میڈیکل سائنس میں ہونے والی ترقی کو بائیو ٹیکنالوجی کے مرہون منت ہی قرار دے رہے ہیں۔ موجودہ دور میں میڈیکل سائنس میں ہونے والی ترقی کی رفتار کو بائیو ٹیکنالوجی نے پر لگا دیئے ہیں کل جو ماہرین تحقیقی میدان میں حاصل ہونے والے نتائج کے لئے ایک دہائی کا عرصہ متعین کرتے تھے وہ عرصہ نصف سے بھی کم ہو گیا ہے اور یہ سب کچھ بائیو ٹیکنالوجی کی بدولت ہے۔ دوسری طرف پرائیویٹ کمپنیاں آنے والے کل میں اس ٹیکنالوجی کی بدولت ایک صنعتی انقلاب برپا کرنے کے منتظر ہیں جب کہ عام لوگوں میں بھی اس ٹیکنالوجی سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں اور کل جسے وہ خواب سمجھتے تھے آنے والے کل میں حقیقت کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بائیو ٹیکنالوجی میڈیکل سائنس میں اس حد تک ترقی سے معاشرہ میں بگاڑ کا باعث بھی بنے گی۔ (DNA) اور کلوننگ میں مزید پیش رفت کی مخالفت کرنے والے ان لوگوں کا خیال ہے کہ اگر انسانی جین میں موجود انسانی کمزوریوں اور خصوصیات کا پتہ قبل از وقت لگایا جائے تو یہ قدرتی امور میں مداخلت کا باعث ہو گا اور اس طرح ایک انسان کو دن کی روشنی میں عریاں کرنا باعث ندامت ہے۔ اس ضمن میں (DNA) اور کلوننگ کے معاملات میں حکومتوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں کہ اس کے منفی اثرات سے معاشرہ کو محفوظ رکھا جائے تاکہ کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہ ہو سکے۔ ماہرین نے اس سلسلے میں کچھ تجاویز دی ہیں جس کے تحت امریکا اور جاپان میں باقاعدہ ایک کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو اس میدان میں ہونے والی تحقیق کے منفی اثرات کا جائزہ لیں گے۔ مستقبل میں بائیو ٹیکنالوجی سے جینٹک انجینئرنگ اور میڈیکل سائنس میں ہونے والی حیرت انگیز تبدیلیوں کا انحصار انسانی ہاتھوں میں ہو گا کہ وہ ان کو اپنی تعمیر کے لئے استعمال کرتا ہے یا تخریب کے لئے

حضرت خواجہ ابو علی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ

علم باطنی میں آپ کو حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ سے نسبت ہے اور شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی علیہ الرحمتہ سے بھی آپ کو صحبت حاصل ہے جو کہ قطب ربانی اور عارف سبحانی تھے ان کا وصال ۴۵۰ھ میں ہوا وہ بھی حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ سے نسبت یافتہ تھے آپ نے فرمایا کہ میں ابتدائے جوانی میں طلب علم کے لئے نیشاپور گیا میں نے سنا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر منہ سے آئے ہیں اور مجلس میں ارشاد فرمارہے ہیں۔ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ زیارت کروں جب میری نگاہ آپ کے جمال پر پڑی میں آپ کا شیدائی ہوگیا اور گروہ صوفیہ کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ مجھ کو شیخ کی خدمت میں بہت کچھ فائدے اور روشنیاں ظاہر ہوئیں اور حالات پیدا ہوئے۔ شیخ جب نیشاپور سے چلے گئے تو میں امام ابوالقاسم قشیریؒ کے پاس آیا اور وہ حالات و واردت جو مجھ پر ظاہر ہوئے تھے آپ سے بیان کیے آپ نے فرمایا اے لڑکے۔ جا تحصیل علم میں مشغول ہو۔ میں علم میں مشغول ہوگیا اور یہ باطنی روشنی روزانہ بڑھتی جاتی تھی میں تین سال تک تحصیل علم میں مشغول رہا یہاں تک کہ ایک روز میں نے دوات سے قلم نکالا تو سفید تھا میں وہاں سے اٹھا اور امام ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کیا آپ نے فرمایا کہ جب علم نے تجھ سے ہاتھ اٹھا لیا تو تو بھی اس سے ہاتھ اٹھالے اور اب طریقت کے کام میں لگ جا۔ میں مدرسہ سے اپنا سامان خانقاہ میں لے آیا اور حضرت امام کی خدمت میں مشغول ہوگیا ایک روز حضرت امام حمام میں گئے میں بھی ساتھ گیا اور چند ڈول پانی کے حمام (غسل خانہ) میں ڈالے جب امام حمام سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے تو آپ نے نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہ کون شخص تھا جس نے حمام میں پانی ڈالا آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا تب بھی میں اس خوف سے چپ رہا کہ کہیں آپ کی مرضی کے خلاف نہ ہوا ہو۔ پھر آپ نے تیسری بار فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ خادم تھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابو علی جو کچھ ابوالقاسم نے ستر سال میں پایا تھا تو نے پانی کے ایک ڈول میں پالیا۔ پس میں ایک مدت تک امام

کے پاس ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہا ایک روز مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی میں اس میں گم ہو گیا اور اس کے بعد آپ سے کیفیت عرض کی آپ نے فرمایا ابو علی میرا سلوک اس مقام سے زیادہ نہیں آگے کا حال میں نہیں جانتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ کو ایسا پیر چاہیے جو اس مقام سے اوپر لے جائے وہ حالت مجھ پر بڑھتی گئی اور کمال کو پہنچتی گئی چونکہ شیخ ابو القاسم گرگانیؒ کا نام پہلے سن پڑ، تھا طوس کی طرف سفر کیا اور آپ کی خدمت میں پہنچا دیکھا کہ آپ اپنے مریدوں کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے دو رکعت تحیت المسجد ادا کی اور شیخ کے سامنے گیا شیخ اس وقت مراقبہ میں تھے آپ نے سر اوپر اٹھایا اور فرمایا کہ آؤ ابو علی کیا چاہتے ہو میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور اپنے حالات بیان کیے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری ابتدائی حالت تم کو مبارک ہو ابھی تم کسی درجہ کو نہیں پہنچے اگر تربیت پاؤ گے تو بڑے مرتبہ کو پہنچو گے میں نے دل میں کہا کہ میرے یہی پیر ہیں اور میں شیخ کی خدمت میں مقیم ہو گیا آپ ایک مدت تک مجھ سے طرح طرح کے مجاہدے اور ریاضتیں کراتے رہے اس کے بعد ایک روز میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھ سے نکاح کر لینے کے لئے ارشاد فرمایا اور اپنی صاحبزادی کے ساتھ میرا عقد کر دیا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت خواجہ ابو علیؒ کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے حضرت شیخ گرگانی سے اپنا ایک خواب بیان کیا انہیں اس قدر غصہ آیا کہ ایک ماہ تک مجھ سے بات تک نہ کی میری سمجھ میں نہ آسکا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے آخر ایک دن خود ہی فرمانے لگے تو نے خواب بیان کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ تم شیخ ہو اور تم ہی نے خواب میں مجھ سے ایک بات کہی اور کہ اس کے جواب میں میں نے یہ کہا کہ کیوں یعنی کیوں کا لفظ تمہاری زبان سے نکلا درانحالیکہ تم مجھے شیخ بھی کہتے ہو پس میں کہتا ہوں کہ اگر تمہارے باطن میں لفظ کیوں کی گنجائش نہ ہوتی (اور جو ہرگز نہیں ہونی چاہیے) تو لفظ کیوں خواب میں بھی تمہاری زبان پر نہ آسکتا تھا مطلب یہ کہ مرید کو بیدار میں تو درکنار خواب میں بھی اپنے پیر کے سامنے کیوں اور کیسے نہیں کہنا چاہیے کہ مرید کا کام صرف تعمیل حکم ہے۔ آپ کی ولادت ۴۳۴ھ میں ہوئی اور آپ کا وصال شریف ۵۱۱ھ میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شعور کی تربیت

(سید ابوالحسن علی ندوی)

کسی قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو' ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہو اور دینی و دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو لیکن اس کو نیک و بد کی تمیز نہ ہو وہ اپنے دوست و دشمن کو نہ پہچانتی ہو' پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی اس میں صلاحیت نہ ہو' اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے کی اور قومی مجرموں کو سزا دینے کی اس میں جرات نہ ہو' وہ خود غرض رہنماؤں کی چرب زبانی و شیریں کلامی سے مسحور ہو جاتی ہو اور ہر مرتبہ نیا دھوکہ کھانے کے لئے تیار رہتی ہو' وہ قوم اپنی تمام دینی ترقیات اور دنیاوی سرفرازیوں کے ساتھ قابل اعتماد نہیں وہ پیشہ ور اور خود غرض رہنماؤں اور منافق قائدین کا کھلونا بن جاتی ہے ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بناء پر من مانی کاروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے' اور ان کو اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔

مسلم ممالک کے متعلق اگر ہم یہ کہنے سے احتیاط کریں کہ وہ بیداری اور شعور سے بالکل محروم ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ ان کا شعور بہت کمزور ہے اور وہ بیداری کی ابتدائی منزل میں ہیں' افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خیر خواہ اور بد خواہ کے ساتھ ان کا معاملہ تقریباً یکساں ہے' بلکہ بعض اوقات بد خواہ اور غیر مخلص اشخاص مسلمانوں میں زیادہ ہر دلعزیز اور معتمد بن جاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "مومن سانپ کے ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا" لیکن مسلمان ممالک کے باشندے ہزار ہزار بار ڈسے جانے کے لئے تیار رہتے ہیں' ان کا حافظہ نہایت کمزور ہے' وہ اپنے قائدین اور رہنماؤں کے ماضی کو اور ماضی قریب کے واقعات کو فوراً بھول جاتے ہیں' ان کا دینی اور شہری شعور کمزور اور سیاسی شعور تقریباً ناپید ہے یہی وجہ ہے کہ وہ غالب قوموں اور خود غرض رہنماؤں کا بازیچہ اطفال بنے ہوئے ہیں اور آسانی کے ساتھ ان کا رخ ہر طرف موڑا جا سکتا ہے' حکومتیں ان کی مرضی کے خلاف فیصلے کرتی رہتی ہیں' اور جس طرف چاہتی ہیں' ایک لاٹھی سے ہانک لے جاتی ہیں۔

مغربی قومیں اپنے روحانی اور اخلاقی افلاس اور ان تمام خرابیوں کے باوجود جن کی تشریح ہم نے اس کتاب میں کی ہے شہری اور سیاسی شعور کی مالک ہیں' وہ سیاسی بلوغ کو پہنچ چکی ہیں' وہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتی ہیں' وہ مخلص و منافق' اہل و نااہل کے فرق کو جانتی ہیں' وہ اپنی قیادت ایسوں کے سپرد نہیں کرتیں جو نااہل ضعیف اور خائن ہیں' وہ جب اپنے معاملات کسی کے سپرد کرتی ہیں تو ڈرتے ہوئے اور احتیاط کے

ساتھ اور جس مرحلہ پر بھی ان کی نااہلی یا خیانت کا اظہار ہوتا ہے اور وہ یہ دیکھتی ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کر چکے اور ان کا کام ختم ہو گیا تو ان کو اپنے منصب سے سبکدوش کر دیتی ہیں' اور ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آتی ہیں جو ان سے زیادہ اہلیت کے مالک اور موقع کے مناسب ہوتے ہیں' اس موقع پر کسی رہنما کی معتمد کی سابقہ خدمات' شاندار ماضی اور کسی معرکہ میں نمایاں کامیابی اس قومی فیصلہ پر حائل نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں سیاسی پیشہ وروں اور نااہل اور خائن رہنماؤں سے محفوظ ہیں' ان کے سیاسی رہنما اور ان کے نمائندے بھی محتاط اور امانت دار بننے پر مجبور ہیں' وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں' قوم کی سرزنش عوام کے عتاب و احتساب اور رائے عامہ کی قہرناکی سے وہ لرزہ براندام رہتے ہیں۔

عالم اسلام کی ایک بہت بڑی ضرورت اور اس کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ امت کے مختلف طبقات اور عوام میں صحیح شعور پیدا کیا جائے اور جمہور کی عقلی مدنی اور سیاسی تربیت کی جائے' یاد رہے کہ تعلیم کی اشاعت اور تعلیم یافتہ اشخاص کی اکثریت سے یہ لازم نہیں آتا کہ قوم میں شعور بھی موجود ہے اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے عموم اور علوم کی اشاعت سے شعور کے بیدار کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے' لیکن شعور پیدا کرنے کے لئے بہر حال مستقل جدوجہد کی ضرورت ہے' مسلمان رہنماؤں اور مسلمانوں میں اصلاحی کام کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس قوم میں غور کی کمی ہے' وہ قوم اعتماد کے لائق نہیں' خواہ اس کو اپنے قائدین پر کتنا ہی اعتماد ہو اور وہ ان کی پیروی اور اطاعت میں کیسی ہی چستی اور سرگرمی دکھائے اور ان کی دعوت پر کتنی ہی عظیم قربانیاں پیش کرے اس لئے کہ جب تک اس کا شعور تیار نہیں اور وہ بالغ نظر اور پختہ خیال نہیں ہوئی ہر آن اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسری دعوت اور تحریک کا آلہ کار بن جائے گی اور آن کی آن میں سالہا سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا جس قوم کا شعور بیدار نہیں ہوا اور جس میں خود سوچنے اور اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پر میدان میں پڑا ہو اور مختلف سمت کی ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہوں۔

اسلام اگرچہ ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کی بنیاد وحی و نبوت پر ہے لیکن اس نے بھی اپنے پیروؤں میں ایک خاص شعور پیدا کیا جو شعور کی تمام اقسام میں زیادہ مکمل زیادہ وسیع اور کہیں زیادہ گہرا ہے' اس نے اپنے ماننے والوں میں ایک خاص قسم کا طریق فکر پیدا کیا جو جاہلی طریق فکر سے بالکل مختلف ہے' اس نے اپنے ماننے والوں کو ایک بیدار اور خوددار شعور عطا کیا جو اپنی وسعت اور قدرتی لچک کے باوجود ان افکار و نظریات کو انگیز نہیں کر سکتا' جو اس کے مسلمات سے جوڑ نہ کھاتے ہوں اور نہ ان عناصر و اجزا کو ہضم کرنے کے لئے تیار ہے جو اس کی روح اور اس کے اصول سے تضاد رکھتے ہوں۔

اس اسلامی شعور کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اور نبی کریم ﷺ کی تربیت و صحبت سے صحابہ کرام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ ظلم ایک قبیح شے اور دینی و اخلاقی جرم ہے' جو کسی کے لئے جائز نہیں وہ اس پر ایمان لا چکے تھے کہ مسلمان کو ہر شخص کے ساتھ انصاف کرنا چاہئے' خواہ وہ قریب ہو یا بعید' دوست ہو یا دشمن' اپنا ہو یا بیگانہ' انہوں نے جاہلانہ حمیت اور قومی قبائلی اور خاندانی تعصبات سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرلی تھی اور سمجھ لیا تھا کہ اسلام میں اس اندھے تعصب کی کوئی جگہ نہیں' مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے خواہ حق کسی طرف ہو' یہ ان کا عقیدہ بن گیا تھا اور ان کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔

ایک دن اچانک رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سنتے ہیں کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم" اگر ان کی تربیت میں ذرا بھی خامی اور ان کے ذہن میں کچھ بھی انتشار ہوتا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس بات کو سن لیتے اور اس قول کو اس اس کے جاہلی مفہوم میں قبول کر لیتے جس کے مطابق ان کا نشو و نما ہوا تھا اور ساری عمر اس پر عمل کرنے میں گزری تھی' وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ (دین کی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ سراسر وحی ہوتی ہے' ان سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کا ادب کرنے والا آپ کی تمام باتوں کو بے چوں و چرا تسلیم کرنے والا نہیں تھا' لیکن بایں ہمہ وہ خاموش نہ رہ سکے' آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ان کے عقیدہ اور اس فکر و فہم سے ٹکرایا جو آپ ہی کی تعلیمات و تربیت کا نتیجہ تھا' اس سے ان کے اسلامی شعور پر ایک ضرب لگی اور ان دماغ کی چولیں ہل گئیں وہ اپنی تکلیف کو چھپا نہ سکے اور انہوں نے استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ ہم مظلوم کی تو مدد کریں لیکن ظالم کی کیسے مدد کریں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے قول کی شرح فرمائی کہ ظالم بھائی کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا جائے' اور اس کو ظلم سے باز رکھا جائے' یہ سنتے ہی گرہ کھل گئی اور ان کے اسلامی ذہن نے اس ارشاد کو اس طرح قبول کیا جیسے ایک جانی بوجھی حقیقت ہوتی ہے' یہ اسلامی شعور کی نزاکت اور اسلامی ذکاوت حس کی واضح مثال ہے۔

ایک دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فوج بھیجی اور ایک صحابی کو اس کا امیر بنایا اور ان کو امیر کی اطاعت کی تاکید فرمائی وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ امیر اس سفر میں کسی بات پر ناراض ہو گئے' جس کی وجہ سے انہوں نے آگ جلوائی اور اپنے ساتھیوں کو اس میں داخل ہونے کا حکم فرمایا انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نے تو نبی کریم ﷺ کا اتباع آگ سے نجات حاصل کرنے کے لئے کیا تھا کہا اب اس میں داخل ہو جائیں؟ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس فعل کی تصویب کی اور فرمایا کہ اگر وہ آگ میں

کود پڑتے تو کبھی نہ نکلتے، صحابہ کرام کا یہ انکار اسی بنا پر تھا کہ وہ اس اصول پر ایمان لا چکے تھے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی فرمانبرداری صحیح نہیں اور یہ کہ اطاعت اسی وقت فرض ہے، جب نیک بات کا حکم دیا جائے۔

اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کی وجہ سے صحابہ کرام کسی غلط کام اور کسی ناانصافی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، خواہ اس کا صدور خلیفہ وقت سے کیوں نہ ہو وہ اگر خلیفہ کی کوئی زیادتی دیکھتے تو بر سر منبر اس کو ٹوک دینے میں ان کو تامل نہ ہوتا۔ حضرت عمرؓ خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، ان کے جسم پر پورا جوڑا ہے، جوڑا دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے اور فرماتے ہیں لوگو! سنتے نہیں مسلمان کہتے ہیں ہم نہیں سنتے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ تم نے ہم کو تو ایک ایک کپڑا تقسیم کیا اور تم پورے جوڑے میں ملبوس ہو، وہ فرماتے ہیں، عجلت مت کرو پھر اپنے صاحبزادے عبداللہ کو آواز دیتے ہیں پہلی آواز پر کوئی جواب نہیں ملتا، پھر فرماتے ہیں کہ اے عمر کے بیٹے عبداللہ! عبداللہ ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جس کپڑے کی تہبند باندھ رکھی ہے، یہ تمہارا ہی کپڑا ہے؟ وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں، اس پر مسلمان کہتے ہیں۔ ہاں امیرالمومنین اب فرمائیے ہم سب سنیں گے۔

اس اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ بنی امیہ کو اپنا شاہی اقتدار قائم رکھنے میں بڑی زحمتیں پیش آئیں، اسلامی روح نے بارہا اس اقتدار کے خلاف سخت احتجاج کیا اور بارہا اس عرب شاہی کے خلاف علم جہاد بلند ہوا، اموی فرمانرواؤں کو اس وقت تک سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوا جب تک وہ نسل ختم نہیں ہو گئی، جس نے اسلامی اصولوں پر تربیت پائی تھی اور جو خلافت اسلامی اور اسلام کے نظام حکومت اور طریق حکمرانی سے عشق رکھتی تھی اور اس سے انحراف کو بدعت اور تحریف کا مترادف سمجھتی تھی۔

یہی نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی طرح کی اصلاح اور کوئی معاشرتی یا سیاسی انقلاب شعور کی بیداری اور ذہنوں کی تیاری کے بغیر وقوع میں نہیں آتا۔ اگرچہ انقلاب فرانس کا تذکرہ اسلامی دعوت و انقلاب کے تذکرہ کے سلسلہ میں سوء ادب سے خالی نہیں اور یہ ایک ناقص اور محدود قسم کا انقلاب تھا، جو جذباتی جوش اور بے اعتدالیوں سے پاک نہیں تھا، تاہم اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب کسی معاشرہ یا ملک کا شعور بیدار ہو جاتا ہے اور ذہنوں کا رخ کسی خاص طرف ہو جاتا ہے، تو اس سیلاب کا تھامنا بڑی سے بڑی چٹان کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے، انقلاب فرانس کے رہنماؤں نے جن میں سے بہت سے لوگ بڑی اچھی ذہنی، علمی اور ادبی صلاحیتوں کے مالک تھے اور جن کے جلو میں ادیبوں، افسانہ نگاروں اور اہل قلم کا

ایک لشکر تھا' انہوں نے ایک خاص مقصد کے لئے فرانسیسی عوام کے شعور کی تربیت کی' عوام کے دل میں ملک کے فرسودہ نظام کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا کیا' پرانی اخلاقی قدروں اور تصورات و روایات کے خلاف ایک عام بے اطمینانی اور بیزاری پیدا کردی اور ماحول اور خارجی دنیا سے پہلے دلوں کے اندر انہوں نے غم و غصہ اور نفرت و حقارت کی ایک آگ روشن کردی' نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کا سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام لوگوں کے لئے ناقابل برداشت بن گیا' حریت' اخوت و مساوات کے کلمات محبوب اور مقدس بن گئے اور ہر فرانسیسی کا وظیفہ اور تکیہ کلام بن گیا' اس وقت یہ بغاوت ابھری جوش و غضب کا وہ آتش فشاں پھٹا اور پرانے معاشرہ کا قصر زمین پر آ رہا' اگرچہ اس انقلاب کے رہنما اس کو انسانیت کے لئے مفید نہ بنا سکے (اور شاید ان کے پیش نظر یہ تھا بھی نہیں) لیکن انہوں نے ملک میں انقلاب کر دیا اور اس انقلاب کو کوئی طاقت نہ روک سکی' اس لئے کہ اس انقلاب کا چشمہ لوگوں کے دل و دماغ کے اندر سے ابلا تھا اور اس کی پشت پر قوم کی رائے عامہ اور جمہور کی خواہش تھی اور شعور اس کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

آج جس چیز کو یورپ نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور ان کمزوریوں کے ساتھ جن کے ساتھ کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی وہ صرف زندہ ہی نہیں بلکہ برسر اقتدار ہے وہ شہری زندگی کی ذمہ داریوں کا احساس اور سیاسی شعور ہے ابھی تک انگریزوں اور امریکیوں میں ایسے لوگوں کی مثالیں شاذو نادر ہیں جو قومی خیانت کا ارتکاب کرتے ہوں یا اپنے ملک کو سستے داموں فروخت کر ڈالتے ہوں' یا جو حکومت کے اسرار فاش کر دیتے ہوں یا خراب و ناکارہ اسلحہ اور ذخیرہ جنگ کی خریداری کے مجرم ہوں' ایسی مثالیں مشرق میں اور یورپ میں بہت کمیاب اور تقریباً نایاب ہیں' یورپ کا اخلاقی بگاڑ انفرادی دائروں میں محدود ہے' اس کے ذمہ دار بے شک بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں' قوموں کو دھوکا دے سکتے ہیں اور بڑی بڑی قوموں کو پامال کر سکتے ہیں' مگر اپنے ذاتی فوائد اور اغراض کے لئے نہیں' بلکہ قومی و ملکی مصالح کے لئے' یقیناً اسلام میں ان مجرمانہ افعال کی گنجائش نہیں اور بداخلاقی ہی ہے' لیکن مغربی جو کچھ کرتا ہے ایک شعور اور اپنے مخصوص فلسفہ اخلاق کے تحت' مشرق جو کرتا ہے بے شعوری اور شخصی اغراض و محرکات کے ماتحت۔

مسلمان ممالک کے قائدین اور اہل اقتدار سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کبھی اپنے کسی حقیر فائدہ یا لذت و خواہش کے ماتحت اپنے ملک کو رہن رکھ دیں یا اس کا بیعنامہ کر دیں' یا اپنی قوم کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کر دیں یا اپنی قوم کو کسی ایسی جنگ میں جھونک دیں جو اس کی مرضی و مصلحت کے خلاف ہو' اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قوم اس کے باوجود بھی ان کی قیادت کا جھنڈا لے کر چلتی رہے' وہ ان کی

زندگی کے نعرے لگائے اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے' یہ صورت حال اس کے سوا اور کس بات کی دلیل ہے کہ قوم کا ضمیر مردہ' اس کے قوائے فکریہ معطل اور وہ شعور کی دولت سے محروم ہے۔

بہت سے مسلمان ملک ایسے ہیں' جہاں عوام کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا ہے' جہاں عوام صرف محنت و مشقت کے لئے اور خواص صرف عیش و عشرت کے لئے ہیں' اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانیاں ہوتی ہیں اور انسانیت سوز افعال و جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے' شریعت کے احکام پامال کئے جاتے ہیں' لیکن نہ عوام اور جمہور مسلمین میں اس سے غم و غصہ کی کوئی لہر اپیدا ہوتی ہے' نہ کسی قلب کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔ یہ سب در حقیقت انسانی غیرت اور اسلامی خودداری کے فقدان کا نتیجہ ہے اور نہایت خطرناک صورت حال ہے۔

کسی انقلاب اور کسی بغاوت کی کوئی قیمت نہیں (خواہ ظاہری طور پر وہ ملک و قوم کے لئے کتنی ہی مفید ہو) جب تک کہ اس کی بنیاد میں کوئی پختہ عقیدہ' فکر صحیح اور تربیت یافتہ اور عاقلانہ شعور نہ ہو' جب تک کہ رائے عامہ پورے طور پر تیار نہ ہو' اس وقت تک کسی بادشاہ کی جلاوطنی کوئی انقلابی حکومت اور وزارت کی کوئی تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور بالکل قابل اعتبار نہیں ہے' اگر قوم میں ان افعال اور اس رویہ سے نفرت نہیں ہے تو ایک غلط شخص یا غلط جماعت کی جگہ پر دوسرا غلط شخص اور دوسری غلط جماعت آسکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ قوم کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے' اس لئے اصل قابل اعتبار چیز یہ ہے کہ قوم کا ضمیر اور شعور اتنا بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غلط چیز اور مجرمانہ فعل کو کسی حالت میں اور کسی شخص کے لئے بھی برداشت نہ کر سکے۔

اس لئے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے۔ ایسا شعور جو نہ کسی ظلم و ناانصافی کو برداشت کر سکے' نہ دین و اخلاق سے سے انحراف کو' جو صحیح اور غلط' خلوص اور نفاق' دوست اور دشمن' مصلح اور مفسد کے درمیان آسانی سے تمیز کر سکے' مجرم اس کی ناراضگی اور عتاب سے بچ نہ سکیں اور مخلص اس کے اعتراف اور قدر شناسی سے محروم نہ رہیں' وہ اپنے تمدنی' سیاسی' اجتماعی اور دینی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کر سکنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو' جب تک یہ شعور نہ پیدا ہو' کسی اسلامی ملک و قوم کا جوش عمل' صلاحیت کار دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر و مناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

CamScanner

اجتہاد ایک ضرورت' ایک نعمت

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

یہ اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت کے حوالے سے میرا نقطہ نظر ہے۔ اس معاملے میں دو سوالات البتہ بہت اہم ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ اجتہاد قانون کی صورت کس طرح اختیار کرتا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اجتہاد قانون کی صورت کس طرح اختیار کرتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد کے معاملے میں شرائط کی بحث بالکل بے معنی ہے۔ یہ کسی اجتہاد کرنے والے کا اپنے اجتہاد کے لئے استدلال ہے جو اس کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ کرتا ہے۔ جو شخص اپنی اجتہادی رائے پیش کرے گا' وہ اس کی دلیل بھی لازماً" دے گا۔ یہ دلیل اگر قوی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی مفروضہ شرائط کی بنیاد پر اس کی رائے کو رد کر دیں اور اگر دلیل کمزور ہے تو اجتہاد کیسی ہی جامع الشرائط شخصیت کی طرف سے کیوں نہ پیش کیا گیا ہو' اسے بہرحال ناقابل قبول قرار پانا چاہئے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد کو قانون کی حیثیت صرف مسلمان کے ارباب حل و عقد کی اکثریت کے فیصلے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ ارباب حل و عقد بحث و تمحیص سے خود بھی کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں فیصلہ بہرحال انہی کو کرنا ہے۔ وہ جب اپنی اکثریت سے کسی اجتہاد کو قبول کر لیں گے تو وہ قانون کی حیثیت سے نافذ العمل قرار پائے گا۔ مسلمانوں میں سے کسی شخص کے لئے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہو گی۔ اس سے اختلاف کا حق البتہ ہر شخص کو حاصل رہے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ارباب حل و عقد کی اکثریت اس کے اختلاف سے متاثر ہو کر قانون میں کسی تبدیلی کا فیصلہ کر لے۔ چنانچہ قرآن کی تعبیر کا مسئلہ ہو یا کسی ایسے معاملے میں اجتہاد کا جس میں قرآن و سنت خاموش ہیں' یہ مسلمانوں کے منتخب نمائندے ہی ہیں جن کے فیصلے میں اس اسلامی معاشرے میں قانون کا درجہ حاصل ہوتا ہے"

جناب کے ایم اعظم نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا

"بحث کے آغاز میں ہی ہمیں شریعت اور فقہ میں فرق کو نمایاں کر دینا چاہئے۔ شریعت' جو صرف قرآن اور سنت کے نصوص پر مبنی ہے' اللہ کا دیا ہوا قانون ہے۔ یہ ابدی قانون ہے جو بدلا

CamScanner

نہیں جا سکتا۔ اس لئے اس پر اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ ہاں نفاذ شریعت کے طریق کار پر اجتہاد ضرور ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس فقہ انسانوں کا بنایا ہوا قانون ہے۔ یہ وہ قانون ہے جو فقہا نے قرآن اور سنت سے ایک مقرر شدہ اجتہادی طریق کار (اصول فقہ) استعمال کر کے اخذ کیا ہے۔ بیشک زمانہ قدیم کے عظیم فقہا کی قانونی آراء ان کے قرآن اور سنت کے عمیق اور باشعور فہم پر مبنی تھیں۔ مگر بہر حال ان کا یہ غور و فکر داخلی ان کے اپنے زمانے کے ساتھ منسلک تھا۔ ان عظیم فقہا نے یہ بھی نہ سوچا تھا کہ ان کی قانونی آراء آنے والے وقتوں کے لئے بھی مناسبت رکھیں گی۔ مگر بعد میں آنے والی نسلوں نے ان کی آراء کو مقدس جان کر شریعت کا حصہ قرار دے دیا اور اس بات کا احساس نہ کیا کہ انسانی آراء کو قرآن اور سنت کے برابر لا کھڑا کرنا سنگین شرک ہے۔

اپنے اختصار کی وجہ سے شریعت زندگی کی ہر ضرورت کے لئے قانون مہیا نہیں کرتی اور نہ ہی ایسا کرنا اس کا منشا تھا۔ دوسری طرف ان کے حالات کے لئے جو وقت کے ساتھ ساتھ تغیر پذیر رہتے ہیں، جیسے کہ نظم و نسق، سائنس اور ٹیکنالوجی، شریعت یا تو کوئی قانون متعین نہیں کرتی یا پھر عمومی اصول مہیا کرتی ہے۔ یہ وہ میدان عمل ہے جہاں اجتہاد، روح اسلامی کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے اپنے آپ کو بروئے کار لا سکتا ہے۔ چنانچہ امت کے لئے قانون سازی کا دائرہ عمل (الف) ان معاملات اور حالات کی تفصیل متعین کرنا ہے، جہاں شریعت نے بنیادی اصول مہیا کئے ہیں اور (ب) ان معاملات اور واقعات کے لئے اصول اور تفصیلات کا تعین کرنا، جو مباح ہیں اور جن کے لئے شریعت کوئی قانون متعین نہیں کرتی۔ ان دائرہ کار کی مناسبت سے قرآن حمید کہتا ہے کہ "ہم نے تم پر ہر ایک کے لئے ایک **شریعت** اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے" (القرآن 5:48)۔ اس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بذریعہ **شریعت** ایک میدان کے طول و عرض کی حد بندی کر دی، جس کے اندر رہتے ہوئے مسلمان اپنے آپ کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں اور پھر اسی میدان کارزار میں منہاج کی کھلی سڑک بھی عطا کر دی تاکہ مسلمان ان معاملات کے لئے دنیوی قانون سازی کر سکیں، جن پر شریعت نے ارادتاً کوئی احکام نہیں دیئے۔ فقہ اور جدید قانون میں فرق یہ ہے کہ فقہ اسلام کی اخلاقی اور روحانی قدروں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ دوسرے الفاظ میں فقہ جدید قانون کے مخالف نہیں ہے، جب تک یہ قانون تکریم انسانی کا محافظ ہو اور اسلام کی بنیادی قدروں کا مخالف نہ ہو"

چوہدری مظفر حسین نے کہا۔

"اجتہاد کی ضرورت ہر زمانے میں رہی، خود نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر کرتے وقت استفسار فرمایا کہ اگر کسی مسئلے کا حل تلاش کرنے میں قرآن و سنت کو ناکافی پاؤ تو کیا کرو گے تو ان کا جواب یہ تھا کہ "میں اپنی رائے کے مطابق کوشش کروں گا اور استنباط مسائل کے لئے کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کروں گا" اس پر رسول اللہ ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا کہ "اے اللہ تیرے رسول کے رسول نے جو چیز بیان کی ہے اس سے خوش ہوں" مگر گزشتہ کئی صدیوں سے مسلمانوں پر جو فکری جمود طاری ہوا ہے اس نے مسلمانوں کو اجتہاد کے فریضے سے غافل کر دیا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے 1904ء میں کہا تھا کہ موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق قانون اسلامی کی جدید تفسیر کے لئے ایک عالی دماغ مقنن کی ضرورت ہے جو اسلامی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ کام کی اہمیت کے پیش نظر یہ کام ایک سے زیادہ دماغوں کا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے کم از کم ایک صدی درکار ہے۔ اسی طرح 1938ء میں مولانا مودودی نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کے پاس عقائد و اخلاق سے لے کر تمدنی، معاشی، سیاسی اور بین الاقوامی قانون تک ہر چیز ہزار برس پرانی زبان میں ہے جسے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ہزار برس پرانی زندگی سے وابستہ ہے جو آج کہیں موجود نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ مسلمان اسلامی حکومت کا نام زبان پر لے آتے ہیں، لیکن اگر کسی خطہ میں انہیں حکومت مل جائے تو وہاں صحیح معنوں میں اسلامی حکومت نہیں قائم کر سکتے کیونکہ اس زمانے کی ضرورت کے مطابق ایک ترقی پذیر نظام تمدن اور ریاست کو چلانے کے لئے کوئی چیز بھی مرتب نہیں"

غرض اجتہاد کی ضرورت کا احساس تو ایک صدی سے چلا آ رہا ہے لیکن اس کے لئے اب تک اول تو کوئی قابل ذکر کوشش ہی نہیں ہوئی اور جو تھوڑا بہت کام انفرادی سطح پر ہوا ہے وہ پیش آمدہ مسائل کے مقابلے میں انتہائی ناکافی ہے۔ اگر انسانی مسائل کے حل کا ایک بڑا ذریعہ اجتہاد ہے تو اس کے نعمت ہونے کے بارے میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ ملکی معاملات چلانے میں فردا" فردا" اجتہاد ناکافی ہو تو کیا اس کی کوئی اجتماعی صورت بھی ممکن ہے؟

ڈاکٹر محمود احمد غازی جو آجکل نیشنل سیکورٹی کونسل کے ممبر ہیں' ان کا کہنا ہے کہ اسلامی قانون بنانے' اس کی توسیع کرنے اور اسے مرتب کرنے میں پوری اسلامی تاریخ میں کبھی کسی ریاست نے مداخلت کی جرات نہیں کی اور اس قانون کی تکمیل' نفاذ اور لجسلیٹ کرنے میں بھی کبھی ریاست کا براہ راست دخل نہیں رہا۔ بلکہ وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں مغربی طرز کے جمہوری اداروں نے آزاد' باکردار' اہل علم و دانش کا فریضہ اجتہاد اور قانون سازی ہتھیا کر اسے مفاد پرست طبقے کے ہاتھ میں دے دیا ہے جو اسے طبقاتی مفادات میں استعمال کرتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ آج دنیائے اسلام میں جو کشمکش پائی جاتی ہے وہ درحقیقت قانون غصب کر لینے والوں اور قانون کی آزادی کا مطالبہ کرنے والوں کے درمیان آویزش کا ہی دوسرا نام ہے۔

مگر علامہ اقبال" کا خیال ہے کہ ہماری تاریخ میں اگر اسلامی ممالک میں اجتہاد اور اجماع نے مستقل اداروں کی شکل اختیار نہیں کی تو اس کی وجہ مطلق العنان ملوکیت تھی۔ اموی اور عباسی خلفاء کے زمانے میں اگر اجتہاد و اجماع کے لئے مستقل مجلس قائم ہو جاتی تو وہ خلفا سے زیادہ طاقتور ہو جاتی اور ان کے اقتدار کے لئے بہت بڑا خطرہ ثابت ہوتی مگر موجودہ جمہوری دور میں اجتہاد کا حق مجلس قانون ساز کو منتقل کرنے کے لئے فضا سازگار ہے چنانچہ ان کا خیال تھا کہ مذاہب اربعہ کے نمائندے جو فردا" فردا" اجتہاد کا حق رکھتے ہیں اپنا حق مجالس قانون ساز کو منتقل کر دیں تو اس سے ہمارے مختلف فرقوں میں جماع کی صورت پیدا ہو گی اور ایسے اداروں میں علماء کے ساتھ غیر علماء حضرات بھی جو جدید علوم اور عصری تقاضوں سے واقف ہیں حصہ لیں تو عملی مسائل کے حل کی بہتر صورت نکل آئے گی۔ آج کل بے شمار مسائل میں اجتہاد کے ذریعے اسلامی رہنمائی کی ضرورت ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارے علماء بالعموم علامہ اقبال" کی رائے (یعنی اجتماعی اجتہاد) سے اتفاق نہیں رکھتے۔

علامہ محمد حسین اکبر (فاضل قم) ممبر اسلامی نظریاتی کونسل نے بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آج کا یہ موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس موضوع کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اجتہاد کسے کہتے ہیں' اجتہاد کی تاریخی اور شرعی حیثیت کیا ہے۔ مجتہد کون ہو سکتا ہے اس کے شرائط کیا ہیں اور وہ کن کن امور میں اجتہاد کر سکتا ہے اور اجتہاد کرنے کے لئے ماخذ اور مدارک کون کون سے ہو سکتے ہیں۔

کسی چیز کے بارے میں شرعی حکم کو دلائل شرعیہ کی روشنی میں یقین کی حد تک حاصل کرنے کے لئے تمام تر علمی و تحقیقی کوشش کو بروئے کار لانا اجتہاد کہلاتا ہے۔ اجتہاد کے دوسرے معنی امور شرعیہ میں تفقہ اور غور و فکر کرنا ہے اور اس تفقہ فی الدین اور اجتہاد و تقلید کے لئے قرآنی حکم سورۃ توبہ کی آیت نمبر122 میں یوں بیان ہوا ہے۔ "تاکہ وہ دین میں تفقہ اور غور و فکر کریں (یعنی وہ دین کا علم حاصل کریں) اور جب وہ اپنی قوم میں لوٹ آئیں تو ان کو ڈرائیں"

یہ "تفقہ فی الدین" اجتہاد اور تقلید دونوں موضوعات کے اثبات پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون "اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر یعنی "علماء" کی طرف رجوع کرو اور ان سے پوچھو۔ غیر عالم کے لئے عالم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ویسے تو ختمی مرتبت ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی بعض لوگوں کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ اسلام کے حلال و حرام کے مسائل کو بیان کریں۔ لیکن صحابہ کرامؓ اور آئمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو بوقت ضرورت اجتہاد کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجتہد اور فقیہہ کی شرائط میں بیان فرمایا کہ "وہ فقہاء جو اپنے نفس کو گناہوں سے محفوظ رکھیں' دین کی حفاظت کریں اپنی خواہشات کی مخالفت کریں۔ اپنے پروردگار' رسول اللہ ﷺ اور آئمہ معصومین علیہ السلام کے احکام کی پیروی کریں۔ عوام الناس کو ایسے فقیہہ اور مجتہد کی پیروی اور تقلید کرنا چاہئے۔ مزید برآں فقہاء نے ان شرائط میں اضافہ فرماتے ہوئے کہا مجتہد کو حلال زادہ ہونا چاہیے' مومن ہونا چاہیے' دنیادار نہ ہو اپنے زمانے کے فقہاء سے اعلم ہو' مرد ہو۔ مرد ہو۔ قرآن اور سنت اور ادلہ شرعیہ اور قواعد فقہ پر اسے مکمل عبور حاصل ہو۔

کوئی بھی مجتہد قوانین شرعیہ کے بارے اجتہاد کرتے وقت (ادلہ اربعہ) ان چار مدارک و ماخذ سے باہر نہیں ہو سکتا۔ یعنی قرآن مجید' سنت' اجماع اور عقل

قرآن مجید کائنات کی واحد کامل و اکمل بے عیب ہر کمی و بیشی سے پاک تاقیام قیامت مکمل ضابطہ اخلاق کتاب ہے۔ جو تمام تر کمالات کی وجہ سے حضرت نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا معجزہ خالدہ ہے۔ اس کا ظاہر حجت ہے۔ اسلامی احکام کا تعلق ظواہر کے ساتھ ہے اور ظواہر قرآن حجت ہیں۔

دوسرا مدرک سنت ہے۔ اگرچہ بین المسالک سنت کی تعریف کے بارے میں مختلف آراء ہیں' لیکن فقہ جعفریہ کے مطابق چودہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک کا قول' فعل اور تقریر یعنی

ان کے سامنے کسی نے کوئی کام کیا ہو۔ وہ دیکھنے کے باوجود خاموش رہے ہوں۔ وہ سنت کہلاتا ہے۔

اسی طرح اجماع امامیہ کے نزدیک علماء کا کسی مسئلہ پر اجماع کے لئے بھی قول معصوم کا اس میں شامل ہونا شرط قرار دیا گیا ہے اور عقل سے مراد بھی عقل سلیم ہے جو انسان کو حکم قطعی تک پہنچائے۔

آج کا مسلم معاشرہ گوناگوں قسم کے جدید مسائل سے دوچار ہے جیسے پیوند کاری، خاندانی منصوبہ بندی، کلوننگ کا مسئلہ، اسلامی بنک کاری وغیرہ بیسیوں جدید مسائل ہیں جن کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں حکم معلوم کرنے کے لئے لوگ بے تاب ہیں۔ امامیہ فقہاء نے اجتہاد میں پوری دنیا میں بلند ترین مقام حاصل کیا ہے۔ جس سے کئی سازشیں ناکام ہوئیں اور انقلاب ناکامی و کامیابی سے دوچار ہوئے۔

1891ء میں ایران پر جب برطانوی استعمار کا تمباکو کے ٹھیکہ کے ذریعے ناصرالدین شاہ قاچار کے زمانے میں قبضہ کرنے کی سازش کو اس وقت کے مجتہد اعظم آیت العظمیٰ السید حسین شیرازی بزرگ نے ایک فتویٰ "آج کے بعد تمباکو کا کسی بھی طرح استعمال حرام اور امامہ زمانہ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے" برطانوی سازش کو ناکام کر دیا۔ حالت یہ تھی کہ ملکہ "انیس الدولہ" نے شہنشاہ کے تمام حقے تڑوا دیئے جب غصہ میں قاچاری شاہ نے پوچھا یہ کیوں کیا تو جواب دیا حقہ اور تمباکو کا استعمال حرام ہو چکا ہے۔ شاہ بولا یہ کس نے حرام قرار دیا ہے تو ملکہ نے جواب دیا جس نے مجھے تیرے لئے حلال قرار دیا ہے، اسی نے حرام قرار دیا ہے۔ ایرانی اسلامی انقلاب اور حکومت اسی اجتہاد کا نتیجہ ہے۔ ہمارے فقہاء کو اپنے اندر ان خوبیوں کو پیدا کر کے دور حاضر کے مسائل کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اسلام ایک کامل ضابطہ حیات ہے یہ علماء اور دانشوروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو زمانے کے حالات کے مطابق پیش کریں تاکہ اسلام دشمن طاقتوں کا پروپیگنڈا ختم ہو"

سید خورشید احمد گیلانی نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی صاحب فقہی و سماجی روایات کے بارے میں زیادہ حساس اور جذباتی ہوں، اور ان معاملات میں بہت ICSTAT اور ORTHODOX ہوں تو میں ان سے پہلے ہی قدم پر معذرت خواہ ہوں اگر انہیں یہ فکر اور خیال اچھا نہ لگے اور یہ معذرت خواہی ان معنوں میں نہیں کہ جو بات

ہیں کرنے چلا ہوں وہ کمزور' غلط یا دین وملت کے لئے ضرر رساں ہے بلکہ اس لئے عذر خواہ ہوں کہ جذبات کے بلوریں سانچے اور روایت پرستی کے نازک آئینے کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ ہے' مگر یہ بات سوچنے والی بھی ہے' کہنے والی بھی ہے اور جرات کر کے کرنے والی بھی ہے اور وہ یہ کہ ہم ویسے تو بہت سے فکری و عملی معاملات میں بہت ہی دورنگی اور دو عملی کا شکار ہیں' جس کے نتیجے میں خدا اور صنم۔۔ دونوں کے اصل سے محروم ہیں' یعنی دین سے گریز اور دنیا سے محرومی کے نتائج بھگت رہے ہیں' لیکن خاص طور پر "اجتہاد" کے قائل بھی ہیں اور اس سے غافل بھی ہیں' اجتہاد کو ناگزیر بھی سمجھتے ہیں اور اس سے گریز بھی کرتے ہیں' اس کا دروازہ بھی کھلا رکھتے ہیں اور اس میں کسی کو گھسنے کی اجازت بھی نہیں دیتے' اس کے جواز کی بات بھی کرتے ہیں اور کسی کو اس کا مجاز بھی نہیں سمجھتے' اس کی ضرورت کو تو جانتے ہیں البتہ اجازت کسی کو نہیں دیتے' اسی طرز عمل نے اسلامی دنیا کے اندر واقعہ یہ ہے کہ قانونی' فقہی اور سماجی دائروں میں بہت سی الجھنیں پیدا کر رکھی ہیں اور ایک "مفکر" نے تو یہ بات کہہ کر حد کر دی ہے کہ اگر تو اجتہاد آئمہ اربعہ کی رائے کے مطابق کرنا ہے تو وہ پہلے ہو چکا ہے اور اگر ان سے ہٹ کر اجتہاد ہو گا تو یہ سراسر بے دینی اور گمراہی ہے" یہ قصہ تو انہوں نے تمام کر دیا' لیکن نہ تو سماج نے ان کی بات پر اپنا سفر روک دیا ہے' نہ مسائل نے سر اٹھانا چھوڑ دیا ہے نہ فکر نے آگے چلنے سے انکار کر دیا ہے' نہ عالمی چیلنجز نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں' نہ وقت کی لہریں تھم گئی ہیں اور نہ حالات کی کروٹیں دم توڑ گئی ہیں' سماج کے تقاضے برابر آگے بڑھ رہے ہیں۔ مسائل روز بروز اٹھ رہے ہیں' فکر نئی نئی خلعتیں پہن رہی ہے' عالمی چیلنج نئے روپ دھار رہے ہیں' وقت کا بہاؤ تیز سے تیز تر ہو رہا ہے اور حالات نئی کروٹیں لے رہے ہیں' اس لئے اجتہاد پہلے بھی ضروری تھا۔ اور اب بھی ضروری ہے۔ اس کی پہلے بھی اہمیت تھی اور آج بھی افادیت ہے' اگر اجتہادی فکر کو روک لگائی گئی تو پھر مذہب پیچھے رہ جائے گا اور وقت آگے نکل جائے گا۔ کاروان عصر اس بات میں بہت بے رحم اور بے مروت ہے وہ یاران سست گام کا انتظار نہیں کرتا بلکہ انہیں چھوڑ کر اور جھٹک کر آگے بڑھ جاتا ہے اور یہی صدیوں کا تجربہ اور حاصل ہے' اجتہاد کو قولاً" ماننے اور عملاً" روک دینے کا اصل سبب کیا ہے؟ کسی اندیشے کے تحت ایسا کیا گیا اور کیا جا رہا ہے؟ کس نے سب سے پہلے اجتہاد پر قدغن لگائی؟ اور اس پابندی کا امت کو کیا فائدہ پہنچا؟ یہ ہنوز پردہ راز میں ہے لیکن ایک طرح کا اس پر خاموش اجماع ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے

مقالے "الاجتہاد فی الاسلام" میں ایسی حیرت اور تجسس کا اظہار کیا ہے' فرماتے ہیں "اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلسنت و جماعت نے اجتہاد کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا لیکن جب سے مذاہب اربعہ قائم ہوئے ہیں' عملاً" اس کی اجازت بھی کبھی نہیں دی' کیونکہ انہوں نے اس پر کچھ ایسی شرائط عائد کر دی ہیں جن کا پورا ہونا مشکل کیا سرے سے محال ہے۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس ذہنی روش کے اسباب کیا تھے جس نے قانون اسلام کو عملاً" سرتا سر جامد بنا رکھا ہے"

اجتہاد کا احیاء اور اجراء میرے نزدیک آج اسلامی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے فکری بھی اور عملی بھی' تاکہ دنیا پر واضح ہو سکے کہ دین کی تکمیل کا مقصد فکر و نظر کی تجدید ہے' قیامت تک نوع انسانی کو جو مسائل درپیش ہوں گے اسلام ان سب کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس میں ایسے اصول و معیارات موجود ہیں جنہیں بروئے کار لا کر بڑے سے بڑے اور کڑے سے کڑے مسئلہ اور چیلنج سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے' اسلام کا ظہور قبائلی سوسائٹی میں ہوا' بعد ازاں اس کا نفوذ باقاعدہ حکومتوں میں ہوا' اس کے دامن وسعت میں عرب' یورپ' افریقہ اور ایشیاء آیا اسے دنیا کی مختلف اقوام نے اپنایا' گرم اور ٹھنڈے علاقوں کے لوگ' مرغزاروں اور ریگزاروں کے لوگ' پہاڑی اور میدانی علاقوں کے لوگ' مالدار اور غریب طبقوں کے لوگ' غلام اور آزاد معاشروں کے لوگ' زرعی و صنعتی زبانوں کے لوگ اور ابھی نہ جانے کتنے براعظم دریافت ہونے ہیں؟ کتنی نسلیں وجود میں آنی ہیں؟ کتنے طبقے ظہور پذیر ہونے ہیں؟ اور کیسے کیسے مسائل پیش آنے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ اجتہادی روح کو دفن کر کے ان کے معاملات کو حل کیا جا سکے گا؟ اجتہاد کے موضوع پر بہت سا لٹریچر تیار ہو چکا ہے' اجتہاد طلب مسائل کی بھی ایک لمبی فہرست ہے ماضی کا پورا اجتہادی ذخیرہ بھی دستیاب ہے' آئمہ مجتہدین کی اجتہادی آرا کا ریکارڈ بھی موجود ہے' اس پر مزید لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن چند سوالات قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں جو ذہن کو بیدار' فکر کو انگیخت اور قلم کو متحرک کر سکتے ہیں۔

(1) سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور حضور ﷺ کی وفات کے چند برس بعد حضرت عمرؓ کو اجتہاد کی کیوں ضرورت پیش آ گئی تھی؟ چند سالوں میں کیا تغیر حالات واقع ہو گیا تھا؟ اب جب کہ صدیاں گذر گئی ہیں تو اجتہاد کی ضرورت کیوں محسوس نہیں ہو رہی؟

(2) حضرت امام جعفر صادقؒ' حضرت امام مالکؒ' حضرت امام اعظمؒ' حضرت امام شافعیؒ اور

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو تدوین فقہ کی ضرورت کیوں کر محسوس ہوئی اور انہوں نے اجتہادی راہ کیوں اپنائی؟

(3) ان جلیل القدر آئمہ اور اساتذہ کے فکری نچوڑ اور ذہنی کاوش کی موجودگی کے باوصف امام محمدؒ، امام ابویوسفؒ اور امام زفرؒ کیوں سند اجتہاد پر فائز ہوئے؟

(4) قرآن حکیم اور حدیث نبوی ﷺ کی کسی نص سے اجتہاد کی ممانعت ثابت ہوتی ہے؟

(5) کیا دو صدیوں بعد پوری امت فکری و ذہنی طور پر بانجھ ہو گئی تھی کہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنا اور پہلے کام پر اکتفا کرنا پڑا؟

(6) کیا سارے معاملات و مسائل صرف پہلی دو صدیوں میں ابھرے اس کے بعد دنیا کسی برف پوش وادی میں منتقل ہو گئی تھی کہ ہر چیز اپنی جگہ پر جامد و ساکت ہو کر رہ گئی؟

(7) جو شرائط اجتہاد کے لئے رکھی گئیں کیا بعد میں کوئی ان پر پورا نہیں اترا حالانکہ اسلامی تاریخ میں بڑے بڑے عبقری مفسرین، شارحین حدیث، شہ دماغ فقہا، ماہرین عمرانیات، اجل صوفیاء متکلمین اسلام اور دینیات و عصریات کے نامور علماء پیدا ہوئے کیا یہ سب ان شرائط سے معرا اور منصب اجتہاد کے لئے نااہل تھے؟

(8) کیا روح اسلام اس قدر کمزور ہے کہ وہ اجتہاد کا بوجھ نہیں سہار سکتی یا تعلیمات اسلام اتنی نازک ہیں کہ اجتہاد سے انہیں ٹھیس پہنچتی ہے؟

(9) کہیں ایسا تو نہیں کہ اوپر دی گئی باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہو صرف فرقہ بازی کے ذوق نے اجتہاد کی روح کو مسل اور کچل دیا ہو کیونکہ کہ اجتہاد کھلی بحث، کھلے ذہن اور کھلی فضا کا متقاضی ہوتا ہے اگر بحث ہونے لگے اگر ذہن کام کرنے لگیں اور اگر علمی فضا بننے لگے تو ایسے میں فرقہ واریت مرجھانا، بجھنا اور مرنا شروع ہو جاتی ہے اور یہ بات فرقوں کے پابند لوگوں کے لئے ناگوار اور ناقابل برداشت تھی، اس لئے بزرگوں کی عظمت فقہ کی حرمت اور احکام کی قطعیت کا سہارا لے کر اجتہاد کے عمل کو روک دیا گیا ہو؟

اجتہاد اسلام کے باہر کی چیز نہیں بلکہ اس کے نصوص و احکام کا لازمہ ہے، جیسے طراوت، تازگی، نمی اور خوشبو پودے اور پھول کا لازمہ ہوتی ہے، یہ محض چند اشارے ہیں جن سے بات آگے چل سکتی ہے، حالانکہ صاف سی بات ے کہ اگر قرآن و اقوال رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام

"اجتہاد کر سکتے ہیں۔ صحابہ کرام" کے فیصلوں کا ریکارڈ ہوتے ہوئے فقہاء کے چار یا پانچ اجتہادی مکاتب فکر بن سکتے ہیں' پھر ان کی علمی کاوشوں اور اجتہادی آراء کے باوجود دوسرے مجتہدین کام کر سکتے ہیں تو یقیناً آج بھی یہ "شجر ممنوعہ" نہیں جس کے قریب نہ جایا جا سکے۔

مسائل یہ نہیں جن پر سارا سرمایہ دماغ و قلم خرچ ہو رہا ہے بلکہ بہت سے وہ اہم مسائل ہیں جو سماج کے لئے ایک چیلنج بن چکے ہیں' سیاسی' فقہی' قانونی اور سماجی مسائل ان سب پر مجتہدانہ رائے دینے' نظر ثانی کرنے اور اجتہاد کے دائرے میں لانے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر امین اللہ وثیر (سابق ڈائریکٹر جنرل وزارت مذہبی امور) نے کہا۔

"بلا شبہ اجتہاد ہر دور میں ضروری رہا ہے اور میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے اجتہاد کا دروازہ بند کیا ہو یا اس پر کوئی پہرے بٹھائے ہوں لیکن اصل سوال اجتہاد کرنے کا نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اجتہاد کس بات پر ہو۔ وہ کون سے مسائل ہیں جن پر اجتہاد کیا جائے۔ ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ اجتہاد کے نام پر ایک پھاٹک کھول دیا جاتا ہے اور اباحیت پسند لوگ اپنے مخصوص نظریات کو اجتہاد قرار دینے لگتے ہیں حالانکہ انہیں بنیادی طور پر معلوم ہی نہیں کہ جہاں اجتہاد کے لئے حدود شرعی مقرر ہیں وہاں خود مجتہد کے لئے بھی بڑے سخت قواعد و ضوابط ہیں۔ اگرچہ ایک دور میں علامہ اقبال" نے ترکی انقلاب سے متاثر ہو کر یہ تجویز دی تھی کہ ترکی پارلیمنٹ کو مجتہد ادارے کا درجہ دے دیا جائے۔ اگرچہ یہ تجویز روبہ عمل تو نہ آ سکی۔ لیکن ترکی پارلیمنٹ نے جو اجتہادی مظاہر اور مناظر پیش کئے اور ان سے اسلام اور اسلامی اصولوں کو جس طرح دیس نکالا ملا اور نقصان پہنچا وہ بڑا ناخوشگوار تجربہ اور تاریخ کا ناقابل تردید حصہ ہے۔ میرے خیال میں پاکستان میں اگر کچھ مسائل اجتہاد طلب ہیں تو بجائے کسی فرد کو یہ اختیار دینے کے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات سے استفادہ کیا جائے میں کچھ عرصہ تک اسلامی نظریاتی کونسل کا سیکرٹری رہا ہوں مجھے معلوم ہے کہ بڑے سے بڑا حل طلب مسئلہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے آیا اور بڑی دیدہ ریزی اور محنت کے ساتھ اس پر غور کیا گیا اور ان سفارشات کی فائلوں کے انبار آج بھی اسلامی کونسل کے دفتر میں موجود ہیں لیکن کوئی حکومت اس ادارے کی طرف رجوع کرنے کے لئے تیار نہیں حالانکہ یہ ایک آئینی ادارہ ہے اور ہر سال اس کی رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش کرنی لازمی ہے اور ہر سال ایسا ہوتا ہے۔ جب بھی پارلیمنٹ ملک میں موجود ہو لیکن ارکان پارلیمنٹ کو اپنے ذاتی کاموں اور سیاسی

جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ کونسل کی سفارشات پر غور کرنے کے لئے وقت نکال سکیں۔

محمد عبداللہ ایڈووکیٹ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔

''ایک متمدن معاشرے کے ارکان کے درمیان عدل و انصاف اور امن و سکون کی فضا برقرار رکھنے کے لئے کسی دستور العمل یا قانون کی موجودگی ایک ایسی ضرورت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ تاہم کوئی قانون یا ضابطہ اپنے الفاظ اور بیان کے اعتبار سے خواہ کتنا ہی جامع کیوں نہ ہو اس کے عملی نفاذ کے لئے بہرحال تفہیم و تدبر اور تفقہہ ناگزیر ہے۔ قوت نافذہ خواہ کوئی فرد ہو یا ادارہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیش آمدہ مسئلے کے تمام پہلوؤں کا غیر جانبداری' دیانتداری اور پوری عرق ریزی سے جائزہ لیتے ہوئے قانون کا برمحل اور صحیح انطباق کرے۔

حالات و واقعات کی تغیرپذیری کا جائزہ بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ سارا عمل جو کسی بھی قانون کی اہم ترین اور ناگزیر ضروریات میں سے ہے اسے شریعت میں اجتہاد کہا جاتا ہے۔ اجتہاد کے ذریعے دراصل ایک جانب قانون کی منشاء اور مقصد کا تعین کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ان حالات و واقعات کی انتہائی احتیاط کے ساتھ پوری چھان بین کی جاتی ہے جن پر کسی قانون کا نفاذ مقصود ہو جب کہ تیسری جانب کسی بالکل نئی صورتحال جس کی پہلے سے کوئی نظیر موجود نہ ہو' کے سلسلے میں قانون کے اطلاق کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اجتہاد کا عمل اس لحاظ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام میں خدا اور رسول ﷺ کے عطا کردہ قانون کے منصوص حصے میں کسی شخص کو ردوبدل کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ البتہ منصوص قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں بھی ان قوانین کے برمحل اطلاق یا انطباق کا فیصلہ بہرحال اجتہاد ہی کے دائرہ میں ہے۔ مثال کے طور پر چوری کی سزا قطع ید پر منصوص ہے مگر چوری شدہ چیز کی نوعیت' مقدار اور وہ حالات جن میں اس فعل کا ارتکاب ہوا وغیرہ' ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا کہ جس شخص پر چوری کا الزام عائد کیا گیا ہے وہ بظاہر چوری کے ارتکاب کے باوجود مستلزم سزا ہے بھی یا نہیں' اجتہادی معاملہ ہے۔

یہاں غلط فہمی کا ازالہ بے محل نہ ہو گا۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ قحط کے ایام میں انہوں نے چوری کی سزا یعنی حد ساقط کر دی تھی ایک خلاف واقعہ بات بلکہ جسارت ہے یہاں تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں البتہ یہ اشارہ شاید کافی ہو کہ جس بات کو حد ساقط کرنا

سمجھایا کہا جا رہا ہے اسے دراصل زیادہ سے زیادہ ان رعائتوں یا مستثنیات میں ایک "اجتہادی اضافہ" کہا جا سکتا ہے جن کی ایک فہرست پہلے ہی اہل علم کے سامنے موجود تھی جیسے چوری شدہ مال کی معمولی مقدار وغیرہ۔ حدود کے نفاذ میں احتیاط کی تاکید خود شارع علیہ اسلام کی طرف سے موجود ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ احتیاط یا حدود کا دفاع اجتہاد ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

اس مختصر سی بحث سے اس بات کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ اجتہاد قانون کے عملی نفاذ کی ایک لازمی اور ناگزیر ضرورت ہے۔ اجتہاد کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قانون کی تدوین روز روز کا عمل نہیں جب کہ اجتہاد ایک جہد مسلسل ہے۔ اجتہاد کی ضرورت انفرادی سطح پر ایک فرد سے لے کر اجتماعی سطح پر سیاسی جماعتوں اور مختلف تنظیموں، مختلف انتظامی اداروں عدالتوں اور مجالس قانون ساز کو وقتاً فوقتاً پیش آسکتی ہے۔ گویا اجتہاد کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔

اجتہاد دراصل ایک ضرورت ہی نہیں ایک نعمت بھی ہے۔ قانون اگر معاشرے کو عدل و انصاف اور امن و سکون فراہم کرتا ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تو وہ عمل یعنی اجتہاد جو قانون اور اس کے نفاذ کے ممکنہ ابہام کو دور کرتا ہے۔ بلاشبہ ایک نعمت ہے۔ یہ اجتہاد ہی تو ہے جو کسی بے گناہ کو قانون کے غلط اطلاق سے محفوظ رکھتا ہے۔ اجتہاد کے عظیم عمل کی بناء پر کسی گناہگار کا سزا سے بچ نہ پانا اور بے گناہ کا سزا سے محفوظ رہنا معاشرے کے لئے ایک نعمت نہیں تو اور کیا ہے۔

کلمہ طیبہ کا ورد

(سید انکسار علی)

جامع مسجد بیت المکرم میں ہر اتوار کو ممتاز مذہبی اسکالر اور سپریم کورٹ کے جسٹس مفتی تقی عثمانی دو ہفتے کے تبلیغی دورے کے بعد آئے تو انہوں نے دورہ آسٹریلیا کے دوران مسلمانوں کے اسلام سے والہانہ لگاؤ کے بارے میں چند نصیحت آموز واقعات کا ذکر کیا۔ مولانا عثمانی نے اس دوران انڈونیشیا کے ایک نومسلم کے اسلام لانے کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ شخص اس وقت آسٹریلیا کا دولت مند شخص ہے' وہاں کئی فیکٹریاں ہیں لیکن وہ بڑے جذبے سے تبلیغ اسلام میں مشغول ہے انہوں نے اس نومسلم کے قبول اسلام کا جو واقعہ بیان کیا ہے وہ آپ اس کی زبانی سنئے۔

"میں انڈونیشیا کے ایک عیسائی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ میرے والد فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ مجھے زندگی کے ساری آسانیاں اور نعم و دولت میسر تھی لیکن میں اس دولت کو دوستوں' شراب و کباب اور دیگر عیاشی کے کاموں پر بے دریغ صرف کرتا تھا۔ مجھے چونکہ بری صحبت ملی ہوئی تھی لہٰذا میں لوگوں کو ہر طرح سے تنگ کرنے کے علاوہ ان کو ذہنی' جسمانی اور مالی نقصان پہنچانے سے بھی نہیں چوکتا تھا۔ لیکن میں جب بھی برے کام کرتا تو میرے دل میں عجیب سی بے چینی ہوتی اور میں بے قرار دل کے ساتھ چرچ جا کر فادر سے اپنی دلی کیفیت کا اظہار کرتا رہتا ان سے اپنی مغفرت کا ذکر کرتا تو فادر مجھے لفظی تسلی دے کر روانہ کر دیتا پھر بھی جب دلی آسودگی اور اطمینان نہ میسر آتا تو میں اپنے اسکول کی ایک مسلمان ٹیچر کے پاس جاتا' جو مجھے تسلی دیتی اور کہتی کہ تم یہ تمام کام چھوڑ دو اور لوگوں سے اچھا برتاؤ کرو ان کی ان باتوں سے وقتی طور پر بہت سکون ملتا لیکن میں دوبارہ پرانی ڈگر پر چل پڑتا۔

دن یونہی گزرتے رہے' اسی دوران میرے دادا کا جو کہ مسلمان تھے انتقال ہو گیا۔ (واضح رہے' کہ دادا نے عیسائی خاتون سے شادی کی تھی اور میری دادی نے اپنے بچوں کو عیسائی مذہب پر تربیت دی' لہٰذا سب دادی کی وجہ سے عیسائی بن گئے۔ دادا کی تجہیز و تکفین کے بعد پتا چلا کہ انہوں

نے میرے لئے کوئی وصیت چھوڑی ہے' میں سمجھا کہ انہوں نے وصیت میں اپنا بینک بیلنس اور جائیداد میرے نام کر دی ہو گی۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وصیت کے لفافے سے ایک کاغذ برآمد ہوا' جس پر "کلمہ طیبہ" درج تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر طیش آگیا اور میں نے اس کاغذ کو پھاڑ دیا پھر اسی غصے کی حالت میں اپنی ٹیچر کے پاس گیا۔ انہوں نے وہ کاغذ مجھ سے لے لیا اور مجھے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا۔

میں دوبارہ اپنی پرانی روش پر رواں دواں ہو گیا اور لوگوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا حالانکہ میرا ضمیر مجھے ہر شب ملامت کرتا اور میں بڑا بے چین رہتا' لہٰذا میں ایک بار پھر فادر کے پاس گیا اور اس سے اپنی بے چینی کا ذکر کیا لیکن اس نے کوئی حل نہ بتایا بلکہ اطمینان دلاتا رہا جس پر مجھے سخت غصہ آ گیا اور میں نے اسے پستول سے فائر کر کے زخمی کر دیا۔ پھر میں وہاں سے فرار ہو گیا میرے پاس ایک ڈرائیور تھا' جو کہ مسلمان تھا' اس سے میں نے پورے واقعہ کا ذکر کیا اور اپنی قلبی صورتحال کھول کر بتائی تو اس نے مجھ سے کہا آج میں آپ کو ایک ایسی جگہ لے کر چلتا ہوں جہاں آپ کو روحانی سکون ملے گا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے گاڑی میں اپنے ساتھ ایک ایسی مسجد میں لے گیا' جہاں لوگ حلقے میں بیٹھ کر کثرت سے کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے۔ میں ان لوگوں کے درمیان بیٹھ گیا اور کلمہ طیبہ کو سننے لگا۔ اس کے ورد نے میرے دل پر عجیب سی کیفیت طاری کر دی۔ میری آنکھیں کھل گئیں۔ ضمیر جاگ اٹھا۔ پھر ہر وقت میرے کانوں میں کلمہ طیبہ ہی کی صدائیں گونجنے لگیں۔

کچھ روز بعد میں اپنی ٹیچر کے پاس گیا اور اس سے تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں آپ کو آپ کے دادا کی امانت واپس کر دوں' جو کہ دین اور دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے یہ کہہ کر انہوں نے وہ کاغذ جس پر کلمہ طیبہ لکھا تھا مجھے تھما دیا اور کہا اب تم اس کو پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ لہٰذا میں نے اسی وقت کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور دادا کی دولت کو آنکھوں سے لگا لیا۔

میرے مسلمان ہونے پر میرے گھر والوں نے مجھ پر سختی شروع کر دی۔ میرے والد نے مجھے بڑا ڈرایا دھمکایا حتیٰ کہ انہوں نے ہر طرح کی مالی امداد بھی بند کر دی اور مجھ سے میری گاڑی تک چھین لی۔ لیکن میں نے کلمہ طیبہ کی دولت کو عزیز ترین سمجھا اور گھر بار چھوڑ کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہر وقت کلمہ طیبہ کا ورد کرتا رہتا۔ تین چار روز بعد مجھے ایک شب' خواب میں ایک

بزرگ نظر آئے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسلام، دین اور دنیا کا نام ہے۔ دنیا کو چھوڑ کر دین کی لذت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسلام گھربار اور کاروبار چھوڑنے کا درس نہیں دیتا۔ اس کے بعد میں واپس گھر کی طرف لوٹا گھر والے مجھے ہر طرف ڈھونڈ رہے تھے اور میرے والد صاحب نے کہا "تم اسلام پر قائم رہو، لیکن ہمارے ساتھ ہی رہو" والد صاحب اپنی غلطی تسلیم کر کے مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ پھر مجھے انہوں نے مجھے ساری آسائشات گاڑی سمیت واپس کر دیں۔ لیکن اب صورتحال تبدیل ہو چکی تھی۔ میری زندگی کا باب بدل چکا تھا۔ اب میں مادی دنیا سے نکل کر اسلامی دنیا میں داخل ہو چکا تھا، جہاں روحانی آسودگی اور سادگی اور ایثار و قربانی کی زیادہ اہمیت ہے۔ اب مجھے ساری نعمتیں ہیچ لگ رہی تھیں۔ مجھے کسی چیز سے کوئی لگاؤ نہ رہا تھا میرے لبوں پر بس "کلمہ طیبہ" کا ورد تھا۔ مجھے اب اپنی حلال کمائی کی فکر تھی اور میں چاہتا تھا کہ کسی طرح میں اپنے دست بازو سے رزق حلال حاصل کروں للذا میں نے ہمت کر کے آسٹریلیا کا ویزا لیا اور یہاں آ گیا۔ آسٹریلیا آ کر میں نے سخت محنت شروع کر دی۔ شروع میں میں نے لوگوں کی گاڑیاں تک دھوئیں اس کے بعد چھوٹا موٹا کام کر کے جو دولت کمائی اس سے کاروبار کی ابتدا کر دی۔ مگر اس دوران میں تمام وقت کلمہ طیبہ کا ورد کرتا رہا اور میرے تمام مسائل اس کی برکت سے حل ہوتے چلے گئے اور آج اس عظیم کلمہ طیبہ کی برکت سے میرے پاس بے انتہاء دولت ہے، جسے میں تبلیغ اسلام کے لئے صرف کر رہا ہوں۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

(محمد شفیق خاں)

اس جلیل القدر صحابی کا نام خالد بن زید تھا۔ آپ بنو نجار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابو ایوب تھی۔ اور انصار مدینہ میں ہونے کی وجہ سے انہیں انصاری کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں سے کون ہے جو ان کی عظمت کا معترف نہ ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام شرق و غرب میں بلند کر دیا انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ جب ہجرت کر کے آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو عارضی رہائش کے لئے ان ہی کے گھر کو منتخب کیا۔ (حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کے گھر پر رسول ﷺ کے قیام کرنے کی داستان ایسی دلربا ہے کہ اسے بار بار بیان کرنے کو جی چاہتا ہے)۔

جب نبی ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو اہالیان مدینہ آپ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے۔ وہ سب آپ ؐ کے لئے چشم براہ تھے۔ آپ کی آمد پر سب نے فراخی دل کا ثبوت دیا اور اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے تاکہ جس گھر کو آپ پسند کریں اس میں رہائش اختیار کر لیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے قریب وادی قبا میں چند دن قیام کیا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی یہ تاریخ اسلامی کہ وہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد رسول اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی جو آج مسجد قباء کے نام سے معروف ہے۔ وادی قبا میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ یثرب کے سردار راستے میں کھڑے آپ کا انتظار کر رہے تھے ہر ایک کی یہ دلی تمنا تھی کہ اسے رسول ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہو۔ ہر سردار آپ کی خدمت اقدس میں یہی مطالبہ کرتا کہ آپ میرے ہاں قیام کریں۔ آپ ﷺ سب کو یہی فرماتے:۔

کہ میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور ہے۔ اونٹنی مسلسل چلتی رہی۔ سب کی آنکھیں اسی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ دلوں میں ایک ہی شوق سمایا ہوا تھا کہ کسی طرح رسول ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہو جائے۔ جب وہ ایک گھر کے سامنے سے گذر جاتی تو اس گھر والے غمگین و ناامید ہو جاتے اور اس سے اگلے گھر والوں کو امید کی کرن نظر آنے لگتی۔ لیکن اونٹنی مسلسل اپنے حال میں مست چلی جا رہی تھی۔ لوگ اس کے پیچھے رواں دواں تھے ہر ایک کے دل میں یہ شوق تھا کہ وہ اس خوش قسمت کو دیکھیں کہ کس کے نصیب میں یہ دولت آتی ہے۔ ہوا یہ کہ اونٹنی حضرت ابو ایوب کے گھر کے سامنے کھلی فضا میں بیٹھ گئی۔ لیکن رسول اکرم ﷺ اس سے نیچے نہ اترے۔ تھوڑی ہی دیر میں دوبارہ اٹھی اور جانے لگی۔ رسول اکرم ﷺ اس کی لگامے تھامے ہوئے تھے۔ پھر جلدی ہی دوبارہ اسی پہلی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس موقعہ پر حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔

فورا" آگے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ کو خوش آمدید کہا اور اتنے خوش ہوئے کہ گویا دنیا کے خزانے ہاتھ لگ گئے۔ آپ ﷺ کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر کی طرف چل دیئے۔

حضرت ابوایوب انصاری ؓ کا گھر دو منزلہ تھا بالائی منزل کو خالی کر دیا گیا تاکہ آپ ﷺ اس میں قیام کریں۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے رہائش کے لئے نچلی منزل کو ترجیح دی حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جہاں آپ ﷺ نے رہنا پسند کیا وہیں انتظام کر دیا۔ جب رات ہوئی رسول اکرم ﷺ بستر پر لیٹ گئے تو حضرت ابوایوب انصاری ؓ اور ان کی اہلیہ بالائی منزل پر چلے گئے۔ لیکن فورا" خیال آیا کہ افسوس ہم کیا کر بیٹھے اکیا ہمارے آقا رسول ﷺ نیچے قیام کریں گے اور ہم اوپر؟ کیا ہم رسول اکرم ﷺ کے اوپر چلیں پھریں گے؟ کیا ہم آپ ﷺ اور وحی کے درمیان حائل ہوں گے؟ یہ تو آپ ﷺ کی خدمت میں گستاخی ہے ہم تو تباہ ہو جائیں گے دونوں میاں بیوی انتہائی حیران و پریشان تھے کہ کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ کہ اب کیا کریں؟ دلی سکون جاتا رہا۔ اور پریشانی کے عالم میں دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھے اسی غم میں غلطاں رہے اور اس بات کا خیال رکھا کہ وہ کمرے کے درمیان نہ چلیں۔ جب صبح ہوئی تو حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔

یارسول اللہ ﷺ بخدا آج رات ہم دونوں رات بھر جاگتے رہے ایک لمحہ بھی سو نہ سکے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیوں؟ عرض کی ہمارے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ہم چھت کے اوپر ہیں اور آپ نیچے تشریف فرما ہیں۔ ہم دیوار کے ساتھ چمٹ کر بیٹھے رہے کہ اگر ہم چھت پر چلیں گے تو چھت کی مٹی آپ پر پڑے گی جو آپ کو ناگوار گزرے گی اور دوسری بات یہ کہ ہم آپ اور وحی کے درمیان حائل ہو گئے ہیں۔

یہ باتیں سن کر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ابوایوب غم نہ کرو نیچے رہنا میرے لئے آرام دہ ہے کیوں کہ ملاقات کی غرض سے لوگوں کی آمدورفت ہے۔

حضرت ابوایوب ؓ فرماتے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کا حکم مان لیا لیکن ایک خنک رات میں ہمارا منکا ٹوٹ گیا اور پانی چھت پر بہہ گیا میں اور میری اہلیہ جلدی جلدی لحاف سے خشک کرنے لگے کہ کہیں یہ پانی نیچے ٹپک کر رسول اکرم ﷺ تک نہ پہنچ جائے۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں اوپر ہوں جب کہ آپ نیچے تشریف فرما ہوں۔ پھر میں نے رات منکا ٹوٹ جانے کا واقعہ بھی سنا دیا آپ نے میری التجا کو قبول فرما لیا۔

آپ بالائی منزل پر جلوہ افروز ہونے پر رضامند ہو گئے اور ہم نچلی منزل پر منتقل ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے تقریبا" سات ماہ تک حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے گھر قیام کیا۔ اتنے میں مسجد تعمیر ہو گئی جہاں آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی اسی خالی جگہ پر۔ رسول اکرم ﷺ ان حجروں میں منتقل ہو گئے جو آپ کی رہائش

کے لئے تعمیر کئے گئے تھے۔ اس طرح آپ علیہ السلام مستقل طور پر حضرت ابوایوب انصاری کے پڑوسی بن گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کا اظہار کیا۔ آپ نے بھی ان سے بہت پیار کیا اور ہمیشہ ان کے گھر کو اپنے گھر جیسا سمجھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق ؓ اپنے گھر سے مسجد کی طرف جارہے تھے۔ راستے میں حضرت عمر ؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا۔ حضرت آپ اس وقت یہاں کیسے۔ فرمانے لگے۔ مجھے اس وقت بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی ہے۔ حضرت عمر ؓ نے بھی فرمایا۔ بخدا میں بھی اسی بھوک کی وجہ سے گھر سے نکل آیا ہوں۔ دونوں یہی باتیں کررہے تھے کہ آنحضرت ﷺ بھی ادھر آنکلے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔

آپ دونوں! اس وقت یہاں کیسے کھڑے ہو؟ دونوں نے بیک وقت عرض کی۔

یارسول اللہ ﷺ بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں بھی بھوک کی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ آؤ اور آپ ﷺ ان دونوں کو اپنے ہمراہ لے کر حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ حضرت ابوایوب انصاری ؓ آپ ﷺ کے لئے روزانہ کھانا محفوظ کرتے تھے۔ جب آپ تشریف نہ لاتے تو وہ اہل خانہ کو کھلا دیا جاتا۔ جب دروازے پر پہنچے تو ام ایوب نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو خوش آمدید کہا۔ آپ نے دریافت فرمایا:۔

ابوایوب کہاں ہے اور وہ گھر کے قریب ہی نخلستان میں مصروف عمل تھے۔ وہیں پہ انہوں نے آپ کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے آئے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو خوش آمدید کہا اور عرض کی، حضور خیر تو تھی آپ اس وقت میرے غریب خانہ پر تشریف نہ لائے جس وقت روزانہ تشریف لاتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

ہاں سچ ہے آج کچھ تاخیر ہوگئی۔

پھر حضرت ابوایوب جلدی سے نخلستان کی طرف گئے اور کھجور کی ٹہنی توڑ لائے جس کے ساتھ خشک اور تر کھجوریں لگی ہوئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا آپ نے یہ ٹہنی کیوں کاٹی آپ صرف کھجوریں ہی لاتے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میرا یہ جی چاہتا کہ آپ ہر طرح کی کھجوریں تناول فرمائیں۔ ابھی میں آپ کے لئے ایک جانور بھی ذبح کرتا ہوں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھئے دودھ دینے والا جانور ذبح نہ کرنا۔

حضرت ابوایوب ؓ نے بکری کا ایک بچہ پکڑا اور اسے ذبح کردیا پھر اپنی بیوی سے کہا جلدی جلدی کھانا

تیار کرو۔ بیوی روٹی پکانے میں مصروف ہو گئی اور خود نصف گوشت کا سالن پکایا اور نصف گوشت کو خشک بھون کر تیار کیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے لگا دیا۔ سب سے پہلے رسول اکرمؐ نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور روٹی پر رکھ کر ارشاد فرمایا۔

ابوایوبؓ یہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے جاؤ کئی دن سے اسے اس طرح کا کھانا نصیب نہیں ہوا۔ پھر سب نے مل کر کھانا تناول کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے سامنے یہ نعمتیں دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ روٹی گوشت، خشک و تر اور پکی کھجوریں

یہ الفاظ کہتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور گویا ہوئے خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یہی وہ نعمتیں ہیں۔ جن کے متعلق قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا جب تمہیں اس قسم کی نعمت ملے تو کھاتے وقت بسم اللہ کہو اور کھا چکو تو ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

الحمد للہ الذی ھو اشبعنا وانعم علینا فافضل

ستائش ہے اس کی جس نے ہمیں میسر کیا اور ہم پر اپنا انعام و فضل کیا

بعد ازاں رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوایوبؓ سے ارشاد فرمایا۔ کل ہمارے پاس آنا۔ آپ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی جب بھی کوئی شخص آپ سے حسن سلوک سے پیش آتا تو آپ بھی اس کا بہتر بدلہ دیتے۔ لیکن حضرت ابوایوب انصاریؓ کو آنحضور ﷺ کا ارشاد سنائی نہ دیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں بتایا کہ آپ ﷺ حکم دے رہے ہیں کہ کل تم کو آپ ﷺ کے پاس آنا ہو گا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ آپ کا حکم سر آنکھوں پر مان کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لے گئے۔ آنحضور ﷺ نے آپ کو ایک لونڈی دی اور فرمایا۔ ابوایوب اس سے بہتر سلوک کرنا کیونکہ جب سے یہ ہمارے پاس ہے ہم نے اسے نہایت ہی نیک اور فرمانبردار پایا ہے۔

حضرت ابوایوبؓ گھر تشریف لائے تو وہ لونڈی آپ ﷺ کے ساتھ دیکھ کر آپ کی بیوی ام الھب نے دریافت کیا۔

ابوایوبؓ یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے انہیں بطور تحفہ عنایت کی ہے۔ آپؓ بولیں۔ تحفہ عنایت کرنے والے کتنے عظیم ہیں۔۔ اور تحفہ کتنا عمدہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں اس کے ساتھ بہتر سلوک کی تلقین ہے۔ بیوی نے کہا۔

ہم کیا کریں اور کس طرح آنحضور ﷺ کی وصیت پر عمل کریں؟

آپ نے فرمایا میرے خیال میں تو آپ ﷺ کی وصیت پر اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے کہ ہم اسے آزاد کریں۔ وہ فوراً بولیں آپ نے بالکل درست سوچا خدا تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔ پھر اسے آزاد کر دیا گیا۔

یہ تو حضرت ابوایوب ؓ کی زندگی کا زمانہ امن میں درخشاں پہلو ہے اگر جنگ میں آپ ؓ کے بعض کارنامے ملاحظہ کریں تو حیران رہ جائیں گے۔ حضرت ابوایوب انصاری ؓ زندگی بھر غازی رہے۔ آپ کی متعلق یہ بات مشہور تھی کہ آنحضور ﷺ کے عہد مبارک سے حضرت معاویہ کے عہد حکومت تک جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں آپ سبھی میں شریک ہوئے سوائے اس کے کہ آپ کسی دوسرے مشن میں مصروف ہوں۔ آپ کی آخری جنگ وہ ہے جس میں امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کی قیادت میں ایک لشکر قسطنطینہ روانہ کیا تو اس وقت آپ عمر رسیدہ تھے۔ لیکن باوجود آپ اپنے بڑھاپے کے اس لشکر اسلام میں بخوشی داخل ہوئے۔

دشمن کے مقابلہ میں ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ حضرت ابوایوب بیمار ہو گئے۔ بیماری نے شدت اختیار کی کہ آپ لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ سپہ سالار لشکر آپ ؓ کی تیمارداری کے لئے آئے اور دریافت کیا کہ کوئی خواہش ہو تو بتائیں۔ آپ ؓ نے فرمایا کہ میرا لشکر اسلام کو سلام کہنا اور مجاہدین سے کہنا کہ ابوایوب کی تمہیں وصیت ہے کہ دشمن کی سرزمین میں پیش قدمی کرتے ہوئے آخری حد تک پہنچنا اور میری لاش کو اپنے ساتھ اٹھائے لے جانا اور مجھے قسطنطینہ کی دیوار کے نزدیک دفن کرنا۔ یہ الفاظ کہے اور اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

لشکر اسلام نے رسول اکرم ﷺ کے اس جلیل القدر صحابی کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے دشمن پر پے درپے حملے کئے یہاں تک کہ قسطنطینہ کی دیواروں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ بلکہ حضرت ابوایوب ؓ کے جسد خاکی کو اپنے ساتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ دیوار قسطنطینہ کے سائے میں ان کی قبر کھودی گئی اور بڑے اعزاز و اکرام سے آپ ؓ کو سپرد خاک کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ایوب انصاری ؓ پر رحم کرے آپ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں غازی کا کردار ادا کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر تیز و طرار گھوڑوں پر اس وقت بھی سواری کی جب آپ ؓ کی عمر اسی سال تھی۔

(ماخوذ از! صحابہ کرام کے درخشاں پہلو)

گذشتہ ہزاری اور مسلمان

(ابوذر غفاری)

ایک ہزار سال قبل 1000ء کا آغاز ہوا تو اس وقت مسلمان دنیا کی واحد سپر طاقت تھے۔ تاہم جیسا کہ قانون فطرت ہے ہر کمال کو زوال ہوتا ہے۔ یونانی فکر سے مغربی ممالک نے مسلمانوں کی وساطت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بدقسمتی۔سے یہ یونانی فکر و علم مسلمانوں میں نفاق کا باعث بنا۔ جس طرح عیسائی پادریوں نے چند صدیاں قبل اس یونانی فکر و علم کو شیطانی قرار دے کر مغرب کو جہالت کی نذر کر دیا تھا اسی طرح مسلمانوں کے علماء نے اس کی سخت مخالفت کی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں فرقہ پرستی کا زہر پھیل کر انہیں کمزور کر رہا تھا۔ مزید براں اسلامی ممالک میں اتحاد نہ تھا۔ مسلمانوں کے باہمی نفاق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے 1099ء سے مغربی ممالک نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کر دیا جو 1270ء تک جاری رہا۔ اس دوران انہوں نے یروشلم فتح کر کے وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ صلاح الدین ایوبی نے جب یروشلم کو آزاد کرایا تو اس نے عیسائیوں کو معاف کر دیا= عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملے کرتے وقت منگولیا کے جنگجو منگولوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے حد جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ خوارازم کی عظیم سلطنت کو تباہ کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اس سے کوئی سبق نہ سیکھا۔ وہ فرقہ پرستی کی نذر ہوتے رہے۔ آخر کار 1258ء میں ہلاکو خان نے بغداد پر قبضہ کر کے مسلمانوں کے علمی خزانے کو دریائے دجلہ میں غرق کر کے انہیں جہالت کے اندھیرے میں دھکیل دیا۔ سقوط بغداد کے بعد بغداد ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب مسلمان بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ صاف ظاہر تھا کہ اب منگول ہی دنیا کی واحد سپر طاقت ہیں۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عثمانی ترکوں نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا اٹھا لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ترک یورپ کے اندر گھس گئے۔ بایزید کے سامنے یورپ کانپنے لگا۔ اس نے 1389ء میں کوسوا میں یورپی افواج کو زبردست شکست دی تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ ترک فوج آسٹریا ہنگری کی سلطنت کو تباہ کر کے اٹلی اور فرانس کو روندتی ہوئی عیسائیوں کے محاصرے میں آئے ہوئے سپین کے مسلمانوں کو بچا لے گی۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کے باہمی نفاق نے ایسا نہ ہونے دیا۔ اس وقت تیمور وسطی ایشیاء پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اس نے کسی بات پر ناراض ہو کر ترکوں پر حملہ

کر دیا۔ بایزید کو شکست ہوئی اور اسے تیمور نے پنجرے میں بند کر دیا۔ اس طرح ترک سپین کے محصور مسلمانوں کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔

اس گذشتہ ہزاروی کے اوائل سے افغان مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ محمود غزنوی نے سترہ حملے کئے جب کہ محمد غوری نے دہلی پر قبضہ کر کے وہاں مسلمانوں کی حکمرانی کے دور کا آغاز کر دیا۔ اس سے پہلے تقریباً چار سو سال قبل محمد بن قاسم نے سندھ پر قبضہ کر کے برصغیر میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں بھی مسلمان نفاق کا شکار رہے۔ فرقہ پرستی نے انہیں بے حد نقصان پہنچایا۔ 1526ء میں جب بابر نے دہلی کے تخت پر قبضہ کیا تو اس کے جانشینوں نے پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ ان کا بہت دبدبہ تھا۔ اٹھارویں صدی کے اوائل تک مغلیہ سلطنت پورے عروج پر تھے۔ اس کے بعد اس کا زوال شروع ہو گیا۔ 1857ء میں انگریز نے دہلی پر قبضہ کر کے پورے ہندوستان پر تسلط قائم کر لیا۔

بہر کیف چودھویں صدی کے اواخر میں تیمور نے بظاہر ترکوں کی کمر توڑ دی تھی۔ لیکن ترک بہت سخت جان نکلے۔ انہوں نے پھر اپنی فوج کو تیار کیا۔ اور محمد فاتح سے پھر یورپ کانپنے لگا۔ قسطنطنیہ ترکوں کی یورپ پر یلغار کی راہ میں حائل تھا۔ اس شہر کی فصیل بہت مضبوط تھی اور اسے سمندر کا تحفظ حاصل تھا۔ محمد فاتح نے بڑی رازداری سے خشکی پر بحری جہاز بنوائے اور وہاں سے پانی تک تختے بچھوائے۔ ان تختوں پر چربی لگوا کر ان بحری جہازوں کو سمندر کے پانی تک پہنچایا۔ اس طرح اس نے خشکی پر بحری جہاز چلائے۔ یہ وہ وقت تھا جب ترکوں کے پاس دنیا کا طاقتور ترین توپخانہ تھا۔ توپ سازی میں ترکوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک بحری جہازوں کو دیکھ کر قسطنطنیہ کے عیسائی بوکھلا گئے اور توپوں نے فصیل کو توڑ دیا۔ 1453ء کو جب قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو پورے یورپ میں صف ماتم بچھ گئی۔ سقوط قسطنطنیہ نے یورپ کے عیسائیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ان کی ناکامی کی کیا وجوہ ہیں۔ جب قسطنطنیہ فتح ہوا تو اسی سال جرمنی میں چھاپے خانہ کی ایجاد ہوئی۔ اس طرح ہاتھ سے کتابیں لکھنے کی بجائے مشین سے کتابیں چھاپی جانے لگیں۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سستی کتابیں زیادہ سے زیادہ عوام کو ملنے لگیں۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ مغرب نے اپنی بقا کی خاطر احیائے علوم کی تحریک کا آغاز کر دیا۔ یہ تحریک جنگل کی آگ کی طرح پورے یورپ میں پھیل گئی۔ علم نے لوگوں میں سوچنے کی طاقت پیدا کی۔ کیا کیوں اور کیسے سوالات نے لوگوں کی

سوچ کو سائنسی بنا دیا۔ 1492ء میں جب سقوط غرناطہ ہوا تو وہاں سے مسلمانوں کے علمی خزانے کو یورپ والوں نے لوٹ کر اپنے علم کی پیاس کو بجھایا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ قسطنطنیہ پر قبضے کے بعد ترک پورے یورپ پر چھا جاتے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ ایک تو خود ترکوں کے اندر نفاق بڑھ رہا تھا۔ ترک اور صفوی آپس میں لڑتے رہے۔ اس طرح ترک یورپ میں زیادہ آگے نہ بڑھ سکے۔ یورپ کا اتحاد بھی ان کی راہ روکے ہوئے تھے۔ آخر کار ترکوں نے اپنی پوری طاقت جمع کر کے وی آنا پر 1686ء میں زور دار حملہ کیا۔ لیکن وہ پورے یورپ کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکے اور انہیں پسپا ہونا پڑا۔ اس پسپائی کے ساتھ ہی ترکوں کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ آخر کار وہی ہوا جو نفاق کی راہ پر چلنے والوں کا ہوتا ہے۔ ترکی کو یورپ کا بیمار کہا جانے لگا۔ اور ایران کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا۔

تحریک احیائے علوم نے مغرب کو جو علم کی طاقت دی تھی اس کے بل بوتے پر اس نے اٹھارویں صدی کے وسط سے صنعتی انقلاب برپا کر دیا۔ اس طرح مغرب نے دماغ کی طاقت کا مظاہرہ کر کے مشرقی ممالک کو اپنا غلام بنانا شروع کر دیا۔ انیسویں صدی کے اواخر تک پورا مشرق مغربی ممالک کے قبضے میں آ گیا۔ افغانستان سے ایک عظیم مسلم سکالر سید جمال الدین افغانی 1880ء کے عشرے کے اوائل میں دو جوڑے کپڑے اور ایک کتابوں سے بھرا ہوا صندوق لیکر اسلامی ممالک کو یہ سمجھانے نکلا کہ اگر وہ تباہی سے بچنا چاہتے ہیں تو ایک تو وہ متحد ہو جائیں اور دوسرے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھیں۔ لیکن افسوس افغانستان' ایران' ترکی اور مصر نے ان کی باتوں پر عمل نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا عالم اسلام مغرب کا غلام بن گیا۔ اس دوران مسلمان بیچارے ہو گئے اور ان پر بجلیاں گرنے کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا۔

جب مغرب پورے عروج پر تھا تو اس کا بھی زوال شروع ہو گیا۔ 1914ء کی پہلی جنگ عظم نے مغربی ممالک کو زبردست جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ اس کے ساتھ ہی مشرق کی محکوم قوموں میں جذبہ آزادی جاگ اٹھا۔ 1939ء کی دوسری جنگ عظیم نے تو مغربی ممالک کی کمر توڑ دی اور دیکھتے ہی دیکھتے مشرق کی محکوم قومیں آزاد ہونے لگیں۔ بیسویں صدی کے اواخر تک صرف روس ایک ایسی سامراجی مغربی طاقت ہے جو کروڑہا مسلمانوں کو غلام بنائے ہوئے ہے۔ لیکن روس وقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسے ان مسلمانوں کو آزاد کرنا ہی ہو گا۔ مغربی ممالک کے عروج کی وجہ مسلمانوں کے خلاف اتحاد اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں حیرت انگیز ترقی ہے۔ یہاں یہ

سوال کیا جاسکتا ہے کہ عالم اسلام گذشتہ ہزاری سے کیا سبق حاصل کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تحریک احیائے علوم کا آغاز کرے۔ مسلمانوں نے علم کے میدان میں جو کاوشیں کی ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ علمی اور تربیتی ماحول پیدا کیا جائے۔ دینی اور دنیاوی دونوں علوم حاصل کئے جائیں۔ دینی علم کا مطلب ہے اسلامی تعلیمات قوم کے ذہن میں راسخ کی جائیں۔ یاد رہے کہ مغربی ممالک اخلاقی طور پر بہت پست ہیں۔ ہم نے اس میدان میں ان کی رہنمائی کرنی ہے۔ ہم نے اسلام کے رنگ میں رنگے ہوئے بااخلاق ایسے افراد دنیا کے سامنے پیش کرنے ہیں جو ہمدرد، ایماندار، صالح، محب وطن، فرض شناس، علم کے شیدائی، قناعت پسند اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدا سے ڈرنے والا ہوں۔

جہاں تک دنیوی علوم کا تعلق ہے تو ہمیں فلسفہ سے لیکر سائنسی علوم خصوصاً سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت زیادہ محنت کرنی ہے۔ یاد رہے کہ آنے والی ہزاری میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو بہت اہمیت حاصل ہو گی لیکن ہم نے دنیا کو واقعی پر امن اور خوشحال بنانے کے لئے اخلاقی میدان میں سب سے آگے ہونا ہو گا۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالے کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالے نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- ملت اسلامیہ کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

دنیائے اسلام کیلئے موت و حیات کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (اردو، انگریزی)	چراغ راہ	حقیقت وحدت الوجود
مجلد 240 صفحات قیمت 100/- روپے	پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت 100/- روپے	پلاسٹک کور قیمت 25/- روپے

ملنے کا پتہ
- ادارہ اسلامیات 190 انارکلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- ریما اکیڈمی پلاٹ نمبر 9 S.T بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

بلاواسطہ ہم سے بذریعہ ڈاک منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا
- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ
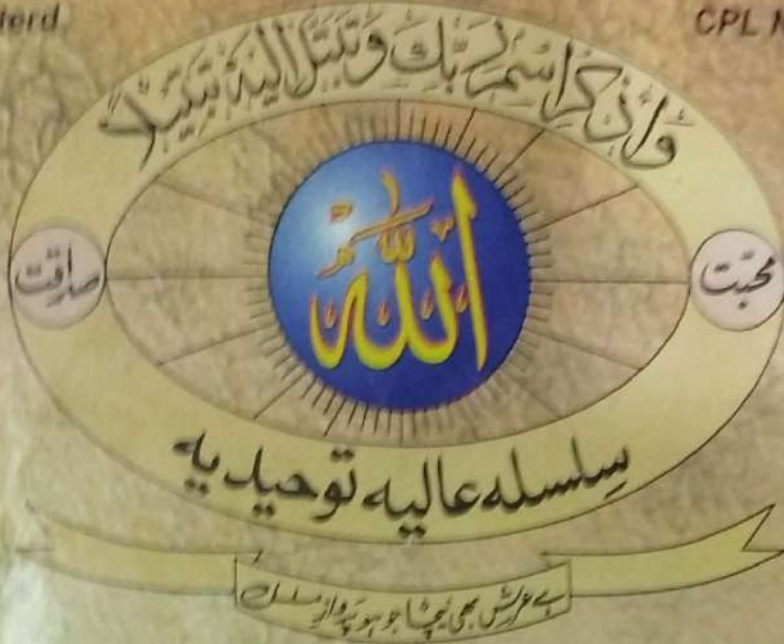
بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلۂ عالیہ توحیدیہ" کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟

CS CamScanner